بسم اللہ الرحمن الرحیم

کرنسی

تاریخ، ارتقا اور احکام

(کرنسی کی متعدد اقسام واحکام کا مفصل تذکرہ)

اختر امام عادل قاسمی

دائرۃ المعارف الربانیۃ
جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب:- کرنسی - تاریخ، ارتقا اور احکام

مصنف:- مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

صفحات:- ۱۶۳

سن اشاعت:- ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۰۲۴ء

ناشر:- دائرۃ المعارف الربانیۃ جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور بہار

قیمت: ۲۰۰ روپے

ملنے کے پتے

☆ مرکزی مکتبہ جامعہ ربانی منوروا شریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

848207 موبائل نمبر:9473136822

☆ مکتبہ الامام، سی 212، امام عادل منزل، گراؤنڈ فلور، شاہین باغ، ابوالفضل

پارٹ ۲، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 موبائل نمبر: 9934082422

فہرست مندرجات

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱	ابتدائیہ	۸
۲	سکہ اور کرنسی تاریخ کی روشنی میں	۹
۳	نقد کی تحقیق اور آغاز	۹
۴	نقود دور جاہلیت میں	۱۲
۵	نقود اسلام کے دور اول میں	۱۶
۶	اسلامی حکومت میں دار الضرب کا قیام	۱۷
۷	اسلامی سکے کا سن آغاز اور محرک اول	۲۳
۸	سکے پر عراقی حکومت کی تبدیلیوں کا اثر	۲۵
۹	سکہ مختلف ادوار میں	۲۶
۱۰	دور اول پر اجمالی نظر	۲۷
۱۱	سکہ کی بنیادی دفعہ	۲۸
۱۲	اسلامی حکمرانوں کا طرز عمل	۳۳
۱۳	قطع وبرید کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مسلک	۳۴
۱۴	دور ثانی	۳۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۵	دور ثالث	۴۰
۱۶	دور رابع	۴۲
۱۷	کرنسی تاریخ کے مختلف مراحل میں	۴۴
۱۸	کرنسی نوٹ-ایک تحقیقی جائزہ	۴۹
۱۹	کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت	۴۹
۲۰	مفہوم اور عناصر	۵۰
۲۱	کرنسی پر ایک نظر	۵۴
۲۲	فلوس کے بارے میں علماء کا اختلاف	۵۶
۲۳	اختلاف کا حل	۶۰
۲۴	کرنسی نوٹ اور دراہم ودنانیر کے احکام میں فرق	۶۲
۲۵	کرنسی نوٹ کا نصاب زکوۃ	۶۸
۲۶	نوٹ سے دیون کی ادائیگی	۷۰
۲۷	قیمتوں کی کمی بیشی کا مفہوم اور معیار	۷۱
۲۸	کاغذی کرنسی کی ثمنی حیثیت	۸۲
۲۹	کرنسی نوٹ کا مسئلہ فلوس کے مسئلہ پر مبنی ہے	۸۳

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۰	فلوس کے ذریعہ سوناچاندی کی خرید وفروخت	۸۴
۳۱	فلوس میں اختلاف فقہاء کی بنیاد	۸۶
۳۲	کرنسی کے حق میں امام محمدؒ کا قول قابل ترجیح ہے	۸۸
۳۳	روپئے سے سوناچاندی کی خرید وفروخت بیع صرف ہے	۹۱
۳۴	ہیئۃ کبار العلماء کا فیصلہ	۹۳
۳۵	مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ	۱۰۱
۳۶	سوناچاندی دے کر زیورات بنوانا	۱۱۴
۳۷	پرانے زیورات کو نئے زیورات سے تبدیل کرنا	۱۱۵
۳۸	آن لائن سوناچاندی کی بکنگ اور کاروبار	۱۱۶
۳۹	ایکسچینج میں سوناچاندی کا ادھار کاروبار	۱۱۷
۴۰	سوناچاندی کی ذخیرہ اندوزی	۱۱۷
۴۱	سوناچاندی کی اسمگلنگ	۱۱۹
۴۲	پلاٹین (سفید سونا) کا حکم	۱۲۱
۴۳	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، تجاویز ادارۃ المباحث الفقہیۃ	۱۲۲،۱۲۴
۴۴	کرپٹو کرنسی کا شرعی حکم	۱۲۵

صفحات	عناوین	سلسلہ نمبر
۱۲۵	کرپٹو کرنسی کی تاریخ اور پس منظر	۴۵
۱۲۷	کرپٹو کرنسی کی حقیقت	۴۶
۱۲۹	فکری بنیاد	۴۷
۱۳۲	کرپٹو کرنسی میں مائننگ کا عمل	۴۸
۱۳۳	مائننگ کی فقہی تکییف "جعالہ"	۴۹
۱۳۶	کرپٹو کرنسی میں ثمن عرفی بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے	۵۰
۱۳۷	ثمن عرفی کی بنیاد عرف اور تعامل پر ہے	۵۱
۱۴۱	ثمن بننے کے لئے کسی خاص طبقہ کا تعامل کافی ہے	۵۲
۱۴۲	ثمن کی بنیادی خصوصیات	۵۳
۱۴۷	کرنسی ہونے کے لئے حکومت کا تسلیم کرنا ضروری نہیں	۵۴
۱۴۷	سرکاری کرنسی کا حکم	۵۵
۱۵۰	غیر سرکاری سکے اور کرنسیوں کا حکم	۵۶
۱۵۲	کرپٹو کرنسی میں زکوٰۃ	۵۷
۱۵۴	کرپٹو کرنسی کو اگر فریقین اثاثہ تسلیم کرلیں	۵۸
۱۵۶	کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کرنا	۵۹

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۶۰	کرپٹو کرنسی کو ملکی کرنسی میں تبدیل کرنا	۱۵۸
۶۱	کیا کرپٹو کرنسی میں سود، قمار اور سٹے کا پہلو ہے؟	۱۵۹

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبینامحمد خاتم النبیین امابعد!

اس حقیر کو مختلف مناسبتوں سے کرنسی کے مختلف پہلوؤں پر لکھنے کا موقعہ ملا، جن میں کرنسی کی تاریخ وارتقا، اور اس کی مختلف قسموں کے شرعی احکام پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، ان میں بعض تحریرات شائع بھی ہو چکی ہیں، لیکن بعض غیر مطبوعہ ہیں ، اس مجموعہ میں ان تمام تحریرات کو یکجا کر دیا گیاہے، تاکہ اس موضوع سے متعلق تمام تفصیلات قارئین کو ایک جگہ میسر ہو جائیں، یہ موضوع اس عہد کا ایک حساس اور زندہ موضوع ہے، امید ہے کہ اس رسالہ سے مسلمانوں کو نفع ہو گا ان شاء اللہ، اللہ تعالی اسے قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین

اختر امام عادل قاسمی

یکم / جمادی الاولی ۱۴۴۶ھ مطابق ۳/ نومبر ۲۰۲۴ء

سکہ اور کرنسی تاریخ کی روشنی میں

آج کی دنیا میں نوٹ اور سکے کی جو اہمیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ سچ یہ ہے کہ سکے کی اہمیت آج سے بہت قبل تسلیم کی جاچکی تھی، اور معاشی لحاظ سے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اسے حاصل ہو چکی تھی۔

نقد کی تحقیق اور آغاز

عربی زبان میں سکے کے لئے نقد کا لفظ بولا جاتا ہے، لغوی اعتبار سے نقد کے تین معنی کلام عرب میں ملتے ہیں اور تینوں معنوں کو سکے سے کافی مناسبت حاصل ہے۔

(۱) نقد: ادھار کی ضد ہاتھوں ہاتھ معاملہ کرنا، جو ہماری اردو زبان میں بھی کثرت سے مستعمل ہے، کہتے ہیں کہ میں نے یہ چیز نقد خریدی ہے، یعنی اس کی قیمت بلا تاخیر ادا کردی ہے [1]

اس معنی کو سکے سے جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے، سکہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان ہر وقت اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے، موجودہ زمانہ میں تو کرنسی نوٹ نے اور بھی آسانیاں فراہم کردی ہیں، مگر جس زمانے میں سونے، چاندی یا دوسری دھاتوں کے سکے چلتے تھے، اسوقت بھی سکوں کی تھیلی اپنے ساتھ رکھنا دوسری چیزوں کے مقابلے میں

---

1 لسان العرب (ابن منظور)، صحاح (جوہری) القاموس المحیط (فیروزآبادی) شرح قاموس (زبیدی)

کہیں زیادہ آسان تھا، غلوں کی بوری یا جانوروں کا ریوڑ یا مصنوعات کا ذخیرہ کون ہر وقت اپنے ساتھ لئے پھر سکتا تھا، اس وقت کے انسان اپنی جیبوں میں سکوں کو اسی طرح ہلکا سمجھتے تھے جس طرح آج کے انسان کاغذی نوٹ کو، اور جب سکے اپنے پاس موجود ہیں تو کسی بھی کاروبار اور خرید وفروخت کے وقت ادھار کی نوبت پیش نہیں آسکتی، بات چیت طے ہوئی، سامان لیا، اور تھیلی سے چند سکے نکال کر دکان دار کے ہاتھ میں تھما دیئے، اس وقت ادھار سے بچنے اور نقدی کار بار کے لئے سکے کے سوا کوئی ذریعہ نہ تھا، اور اسی مناسبت سے عربی معاشرہ میں سکے کا نام نقد پڑ گیا۔

(۲) نقد کے دوسرے معنی کھرا کھوٹا پرکھنے کے ہیں، اردو زبان میں بھی نقد وتبصرہ اسی معنی میں بولا جاتا ہے، کسی مضمون پر نقد وتبصرہ در حقیقت اسی کا نام ہے، کہ اس کے حق وناحق، صحیح وغلط اور کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دیا جائے، قدیم عربی معاشرہ میں شاعری تھی، مگر مضمون نگاری نہ تھی، جوش تقریر تھا مگر زور تحریر نہیں، بلند اور طوفانی جذبات تھے مگر ان کی لہروں کو قید کرنے والے قلمی نقوش نہ تھے، اور ان کے پاس افکار کی بہتات اور فراوانی تھی، مگر مربوط تسلسل اور معتدل توازن نہ تھا، اسی لئے ان کے یہاں کسی مضمون کی پرکھ کے لئے نقد وتنقید کا استعمال نہ ہوتا تھا، کیونکہ اس کے لئے فکری اعتدال، اور ذہنی یکسوئی کی ضرورت تھی، جو ان کے پاس مفقود تھا، اسی لئے ان کی ساری قوت تنقید درہم ودینار کی پرکھ میں صرف ہوتی تھی، جو اس وقت کے اعتبار

سے نہایت اہم اور ضروری چیز تھی، جس طرح ہمارے اس دور میں اعلی اور ادنی، ہر طرح کے مضامین، کتابیں اور مجموعہائے کلام شائع ہوتے رہتے ہیں، اس لئے ان کو جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی طرح عربی معاشرے میں فارس وروم اور یمن سے مختلف قدر وقیمت کے سکے آتے تھے، اور جن پر ان کے پورے اقتصاد کا مدار تھا، اسی لئے ان کے یہاں زیادہ توجہ اس پر دی جاتی تھی کہ مارکیٹ میں کھوٹے سکے کا چلن عام نہ ہو جائے، ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اچھے اور خالص سکے ان کے درمیان رواج پائیں، اور دوسروں کو بھی سچائی کے ساتھ خالص اور اصلی سکے دیں، اور خود بھی اس طرح کے سکے وصول کریں، درہم ودینار کی اس احتسابی مصروفیت نے عربی سماج کے مجموعی مزاج پر وہ اثر ڈالا کہ نقد لفظ ہی سے درہم ودینار اور دوسرے سکوں کا تصور ابھر آتا تھا، اور یہی لازمی تصور بعد میں نام سے تبدیل ہو گیا۔

(۳) نقد کا تیسرا استعمال بکریوں کی اس گھٹیا نوع کے لئے ہوتا تھا، جو نحیف اور کمزور ہونے کے ساتھ بد شکل بھی ہوتی تھی، جس کے پاؤں چھوٹے، چہرے عجیب اور بدن لاغر ہوتے تھے، بکری کی یہ جنس بحرین اور گرم ممالک میں پائی جاتی تھی، عربی زبان میں نقد کا لفظ بکری کی اس نوع کے لئے اس کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا تھا، کہ نقد کا لفظ بولتے ہی بکریوں کی اس جنس کا ناپسندیدہ تخیل ابھر آتا تھا، یہ لفظ عرب جاہلیت کی شاعری میں بھی خوب ملتاہے، مثال کے طور پر ایک شعر دیکھئے:

رب عدیم اعز من اسد
ورب ممثر اذل من نقد

ترجمہ:بہت سے غریب ومحتاج لوگ شیر سے زیادہ معزز ہوتے ہیں،اور بہت سے دولتمند کم تر بکری سے بھی کم عزت رکھتے ہیں۔

اس شعر میں نقد کا لفظ بکری کی اسی ادنی ترین نوع کے لئے استعمال کیا گیا ہے،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقد کا استعمال اس مخصوص معنی میں کس قدر عام تھا؟ ۔۔۔۔۔اس تیسرے معنی کے لحاظ سے سکوں کے لئے اس کا استعمال کس مناسبت سے کیا گیا؟ اور اس کا آغاز کس طرح ہوا؟ بہت کم تاریخ نگاروں نے اس سوال کا جواب دیا ہے، مختلف تاریخی اجزاء کو جوڑنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سکہ کا جو تعلق اس معنی سے ہے،وہ مذکورہ بالا دونوں معنوں سے نہیں ہے۔

نقود دور جاہلیت میں

عربی سکے کی تاریخ لکھنے والوں میں مؤرخ "القس انستاس ماری الکرملی" کا نام نامانوس نہیں ہے،ان کی کتاب "النقودالعربیۃ وعلم النمیات" اس موضوع پر ایک بہترین کوشش ہے،انہوں نے بھی اس کا رونارویا ہے کہ ہمارے تاریخ نگار بالعموم اس چیز کو فراموش کرجاتے ہیں کہ سکہ کے لئے نقد کی اصطلاح کا آغاز کس طرح اور کس مناسبت سے ہوا؟

"ان کا کہنا ہے کہ یہ نقد سامی زبان کا لفظ ہے،اس کے معنی لطیف، لاغر،اور نحیف کے ہیں، بحرین اور دیگر گرم علاقوں میں ایک قسم کی بکری پائی جاتی تھی،جو نہ موٹی ہوتی تھی اور نہ بڑھتی تھی،اس کے لئے نقد کا استعمال عام تھا،۔۔۔۔جب بحرین کی قبائلی کونسل میں سکے کی تجویز پیش کی گئی،تو یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ سکے میں علامتی نشان کے لئے کس چیز کا انتخاب کرنا چاہیئے؟چونکہ بحرین کا علاقہ بکریوں اور مویشیوں کے لئے مشہور تھا،مگر جانور اور خوبصورت و تندرست بکریاں تو دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی پائی جاتی تھیں،اس لئے اس لاغرو نحیف بکری کے نقش کی تجویز پاس ہوئی،جو بحرین کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی تھی،حجاز میں نسبتاً چھوٹی چھوٹی بکریاں ضرور پائی جاتی تھیں،جن کو بھی نقد کہا جاتا تھا،مگر شکل وصورت کے اعتبار سے وہ اس بکری سے بالکل مختلف تھی،جو بحرین میں نقد کے نام سے معروف تھی،بحرین کے انتظامی کونسل کے اس فیصلے کے بعد،پورے ملک میں ایسے سکے جاری کر دیئے گئے،جن پر نقد کی تصویر تھی،جس کی بنا پر وہ سکہ بھی نقد کے نام سے مشہور ہو گیا،۔۔۔۔۔رومیوں کے یہاں بھی بعینہ یہی عمل دہرایا گیا،ان کی لاطینی زبان میں سکوں کو

پیکونیا(pecunia) کہاجاتا تھا،پیکونیا بھی لغوی اعتبار سے اسی نحیف الجثۃ اور بد صورت بکری کو کہا جاتا ہے، جسے بحرین میں نقد کہا جاتا ہے،ان کے سکے کی ابتدائی تاریخ بھی وہی ہے جو بحرین کی ہے [2]

کرملی کی اس تحقیق سے بعض عرب علماء کواختلاف ہے،مثلاً ڈاکٹر احمد صفی الدین عوض استاذ الاقتصاد الاسلامی المساعد جو اس موضوع پر کافی مطالعہ رکھتے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ:

"کرملی کی یہ بات حلق سے نہیں اترتی کہ اہل حجاز نے بحرین کی قبائلی اصطلاح کی بناپر اپنے سکے کا اصطلاحی نام نقدر کھاہو، حجاز کی ایک خود مستقل اصطلاح اور با قاعدہ عرف تھا،ان کو دوسروں کی اصطلاحات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہ تھی،وہ بھی عرب کی غیور قوم سے یہ بات بہت بعید معلوم پڑتی ہے۔۔۔۔بلکہ صحیح یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک درہم ودینار کے لئے نقد کا لفظ پرکھنے اور جانچنے کے معنی کے اعتبار سے استعمال کیاجاتا تھا، ان کے نزدیک صرف خالص اور اصلی درہم ودینار ہی کو نقد کہا جاتا تھا، کھوٹے سکوں کے لئے ان کے یہاں جداگانہ نام تھے،جو مختلف قدروں اور قیمتوں کے ساتھ ان

---

2 النقود العربیہ وعلم النمیات ص158 تا ص161 ملخصاً۔

کے بازاروں میں رائج تھے،چند نام یہ ہیں، نمی،زائف، زیف ، قسی،بہرج اور ستوق وغیرہ،یہ مختلف قدروقیمت کے کھوٹے سکے تھے، جن میں چاندی کے ساتھ دوسری دھاتیں بھی شامل ہوتی تھیں[3]

مگر کرملی نے تاریخ کے سہارے اپنی بات کہی ہے، جبکہ ڈاکٹر عوض عقل وفکر کو استعمال کررہے ہیں، دعوی کے اثبات کے یہ دو مختلف اسلوب ہی اس فیصلے کے لئے کافی ہیں کہ تاریخی حیثیت سے کرملی کی بات زیادہ وزن رکھتی ہے، اوراس کا بھی امکان ہے کہ اہل بحرین نے اپنے عرف کے مطابق جب سکوں کو باتصویر رواج دیا ہو تو اہل حجاز اپنے پسندیدہ معنی احتساب واعتقاد کے اعتبار سے اس نام کو قبول کرلیا ہو، اس طرح جداگانہ پس منظر رکھنے کے باوجود دونوں ایک اصطلاح پر متفق ہوگئے ہوں۔

یہاں پر یہ بات بھی یادرکھنے کی ہے کہ درہم ودینار اور دیگر سکوں کی قدر معلوم کرنے کے لئے ان کے یہاں پتھر کے کچھ پیمانۂ اوزان مقرر تھے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہمارے زمانہ میں گرام کارواج ہے، ان کے مشہور اوزان یہ تھے، قیراط، دانق، مثقال وغیرہ۔

---

[3] رسالہ اضواء الشریعہ ریاض، ص ۲۱۲ شمارہ ۱۳، سنہ ۱۴۰۲ھ

نقود اسلام کے دور اول میں

یہ صورت حال عرب کے اس دور جاہلیت کی ہے، جبکہ اسلام کا ظہور نہ ہوا تھا، اسلام کے ظہور کے بعد بھی مدت تک یہ صورت باقی رہی، جس طرح درہم پہلے مرکز فارس سے اور کسی حد تک یمن سے اور دینار صرف روم سے آتا تھا، اسی طرح اسلام کے بعد بھی آتا رہا، چونکہ عرب میں کوئی ایسا ریزروبینک یا دار الضرب نہ تھا، جس میں سکے تیار ہوتے، کیونکہ عرب کوئی صنعتی ملک نہ تھا، اس لئے کپڑوں اور دیگر مصنوعات کی طرح سکے کے معاملہ میں بھی وہ فارس وروم کے محتاج تھے، جو اس وقت کی سپر طاقتیں تھیں۔۔۔۔۔۔ مگر اسلام کے آنے کے کچھ دنوں بعد درہم کی قدری حیثیت میں تبدیلی واقع ہوئی، دینار چونکہ خالص سونے سے تیار شدہ سکہ ہوتا تھا، اور سونے کی اہمیت بہر حال ہر زمانہ میں مسلم رہی ہے، اس لئے دینار کی قدری پوزیشن ہر زمانہ میں مستحکم رہی، دینار کو مثقال کے ذریعہ وزن کیا جاتا تھا، اور مثقال کا وزن عرب کی جاہلیت اور اسلام دونوں میں یکساں رہا۔

دینار کا وزن ہر دور میں یکساں رہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دینار صرف رومی دار الضرب میں تیار ہوتا تھا،، ہم یہ بات یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتے کہ فارس میں دینار تیار کرنے والے ٹیکسالی ادارے نہ تھے، قرین عقل تو یہی ہے کہ وہاں بھی دینار تیار ہوتا ہوگا، مگر اتنی بات ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عرب میں جو دینار رائج تھا، وہ صرف

رومی دینار تھا، اور اسی لئے ان کا وزن ایک ہی رہا، اس لئے کہ ایک ادارے سے عموماً ایک ہی وزن کے سکے تیار ہوتے ہیں، درہم کا معاملہ اس کے برعکس یہ تھا کہ عرب میں دو ملکوں کے درہم چلتے تھے، عام طور پر فارسی درہم رائج تھا، اور اس سے تھوڑے سے کم تناسب کے ساتھ یمنی درہم کا بھی رواج تھا، ظاہر ہے کہ دو ملکوں کے سکے ایک قدر و قیمت کے نہیں ہو سکتے تھے، فارس ایک بڑی طاقت کا نام تھا، اس کے مقابلے میں یمن ایک چھوٹا ملک تھا، دونوں ملکوں کے اس بدیہی تفاوت کا اثر سکہ پر پڑنا لازمی تھا، اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فارس کا سکہ وزن کے اعتبار سے یمنی درہم سے فائق نظر آتا ہے، فارسی درہم کا وزن آٹھ (۸) دانق تھا، جب کہ یمنی درہم کا وزن اس کا بالکل نصف صرف چار (۴) دانق تھا۔

اسلامی حکومت میں دار الضرب کا قیام

ظاہر ہے کہ جب ملک میں مختلف سکوں کا رواج ہو تو مالیاتی قوانین کی تشکیل میں دشواریاں پیش آنی یقینی ہیں، اسلام کے ظہور اور پورے حدود عرب پر اس کے غلبہ کے بعد جب اقتصادی قوانین کی تشکیل کی نوبت آئی تو درہم کے قدری تفاوت کی بنا پر بڑی رکاوٹیں سامنے آئیں، اب وہ وقت آیا جب اسلامی حکومت نے درہم کی نوعیت اور قدر میں تبدیلی کا فیصلہ کیا، اور عرب کی اقتصادی تاریخ میں پہلی بار عربوں نے ایک نئے دار الضرب کی بنیاد ڈالی،۔۔۔۔۔ آپ اس پس منظر میں محقق ابو عبید القاسم ابن سلامؒ

کی زبانی وہ پیش منظر ملاحظہ کیجئے، جس سے درہم کی تاریخ نے گہرا اثر قبول کیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ:

"اس سلسلے میں میرے پاس جو تحقیق ہے، وہ ایک ایسے شیخ سے سنی ہوئی ہے، جو لوگوں کے معاملات اور حالات زمانہ سے مکمل آگاہی رکھنے کے ساتھ نقود کی تاریخ کے بھی تخصص کی حد تک ماہر تھے، ابو عبید اس شیخ کا نام ظاہر کئے بغیر لکھتے ہیں کہ:

شیخ کا کہنا یہ تھا کہ ایک لمبے زمانہ سے عربی معاشرہ میں دو طرح کے سکے رائج تھے ایک کا نام "سود بغلیہ" اور دوسرے کا نام "طبریہ العتق" تھا (سود بغلیہ بغل نامی ایک بادشاہ کی طرف منسوب تھا، ایک روایت یہ ہے کہ بغل سکہ ڈھالنے والے کا نام تھا، جس کے نام پر سکے کا نام بغلیہ مشہور ہوا[4]، اور طبریہ کو طبریہ یا طبرستان سے نسبت تھی(جہاں سے یہ سکہ ڈھل کر عرب میں آتا تھا[5]) ظہور اسلام کے بعد بھی یہ مختلف سکے عرب میں چلتے رہے، یہاں تک کہ خلافت بنو امیہ کا دور آیا اور حکومت کو دار الضرب کے قیام کا خیال پیدا ہوا، تا کہ وہ

---

4 -النقود العربیہ و علم النمیات ص ۲۲، ۲۳۔

5- -النقود العربیہ و علم النمیات ص ۲۴

درہم ودینار (جو ہر ملک کے اقتصاد کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں) کے بارے میں کسی دوسرے ملک کے دست نگر نہ رہیں، اوراس خیال کواس بناپر بھی مہمیز لگی کہ فارس وروم کی حکومتیں تباہ ہو چکی تھیں، اور اسلامی حکومت ہی اس وقت کی سب سے بڑی طاقت تھی، مگر حیرت کی بات تھی کہ اس کے پاس اب تک کوئی ریزروبینک یا دار الضرب نہ تھا، اس خیال نے تحریک کی شکل اختیار کرلی، اور حکومت نے دار الضرب کے قیام کا فیصلہ کر لیا، مگر اس کے بعد سب سے اہم سؤال یہ تھا کہ عرب میں دو طرح کے درہم چلتے تھے، ایک سود بغلیہ تھا، جس کا وزن چار دانق تھا، دوسرا طبریۃ العتق تھا، جس کا وزن آٹھ دانق تھا، ان دونوں میں کس وزن کا سکہ اسلامی دار الضرب میں تیار کیا جائے؟۔۔۔۔۔۔ یہاں پر ایک دوسرا سؤال مستقبل کے بارے میں تھا، کہ اگر اسلامی حکومت میں اسی طرح دونوں قدروں کے سکے چلتے رہے، اور لوگ اپنے کاروباراور حکومت کی جانب سے مقررہ یااپنے ذاتی وظائف مالیہ کی ادائیگی دونوں ہی سے کرتے رہے، اور حکومت کی جانب سے کسی خاص سکے کی رہنمائی نہیں کی گئی، تواس وقت کیا ہو گا؟ جب ان میں سے کسی ایک سکے کا رواج

موقوف ہو جائے، مثلالوگ سود بغلیہ (جو ادنی درجہ کا سکہ تھا)ہی سے سارے معاملات کرنے لگیں اوران کے ذہنوں میں یہی معیار تمول کی حیثیت سے باقی رہ جائے، اور طبریۃ العتق کا چلنا بند ہو جائے، اس وقت نظام زکوٰۃ کو کیسے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے،اس لئے کہ اس وقت عشر وخراج اورزکوٰۃ سب کچھ اسی درہم سے اسلامی حکومت کوادا کریں گے ،جو طبریہ درہم کا سیدھے آدھا ہے ،اگر اسلامی حکومت کو عشر وخراج اورزکوٰۃ میں بغلیہ کے بجائے طبریہ ملتاتودوگنافائدہ ہوتا،لیکن سود بغلیہ کاغالبانہ تخیل جب تمام معیاروں کوایک درہم میں محدود کرکے رکھ دے گاتواسلامی حکومت طبریہ کامطالبہ کرنے کاحق کیسے رکھے گی ؟وہ بھی اس وقت جب کہ اس کارواج بند یاہلکاپڑ گیاہو۔۔۔۔یہ تواس وقت کاامکانی نقشہ ہے جب کہ سود بغلیہ اقتصاد پر حاوی ہو جائے، لیکن اس کے برعکس اگر طبریۃ العتق ہی کواقتصاد اورمارکیٹ پر غلبہ حاصل ہوجائے،اوررفتہ سود بغلیہ کارواج ختم ہوجائےاس وقت اسلامی حکومت کا بیت المال توخوب مضبوط ہو گا،مگر ارباب مال کو جس نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا،وہ ظاہر ہے،کیونکہ سود بغلیہ کارواج

ہوتا تو وہ اس سے زکوۃ، عشر اور خراج ادا کرسکتے تھے، مگر وہ موقوف ہوکر اب طبریہ العتق کا رواج رہ جائے گا، اس لئے اب ان کو اس سے دوگنی قدر و قیمت کا درہم ادا کرنا پڑے گا، جو اصحاب اموال کے لئے صریح

خسارہ کا باعث ہو گا۔

ان دونوں سوالات نے حکومت کے ارباب قانون کو ایک ایسے نئے درہم کی بناڈالنے پر آمادہ کیا جو حکومت اور ارباب مال دونوں کے حق میں نقطۂ عدل ہونے کے ساتھ عہد نبوی کے معیار زکوۃ سے ہم آہنگ بھی ہو (یعنی وزن سبعہ کے موافق ہو) چنانچہ انہوں نے سود اور طبریہ دونوں کو ملاکر دو برابر سکے کے قائم مقام کر دیا، سود بغلیہ جو چار دانق کا تھا اس میں طبریہ کا دو دانق شامل کر کے چھ دانق بنادیا گیا اور طبریہ سے جب دو دانق خارج ہو گئے تو وہ بھی چھ دانق کے وزن کا رہ گیا اس طرح اسلامی حکومت کے دور عروج میں چھ دانق وزن کا درہم اسلامی درہم کی حیثیت سے جانا اور پہچانا گیا، اب درہم کے لئے مثقال پیمانۂ وزن قرار دیا گیا جو جاہلیت سے لیکر اسلام تک ہر دور میں یکساں قدر کا حامل رہا تھا۔ چنانچہ اس نئی توزین و تعدیل کے مطابق

دس درہم کا وزن سات مثقال کے برابر ہو گیا جو زکوۃ کیلئے وہ معیار عدل تھا جس کا رواج عہد نبوی میں تھا اور اب اس کا احیاء باضابطہ طور پر دنیا کی سب سے بڑی حکومت کی جانب سے ہو رہا تھا اس سعیٔ مسعود کیلئے حکومت بنو امیہ کو جس قدر مبارک باد دی جائے کم ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے اسلامی حکمرانوں کو اس اہم اقدام کی ہمت اور توفیق بخشی[6]۔

اسلامی درہم کے پس منظر کو سمجھنے کیلئے ایک دوسرے مؤرخ فتوح البلدان کے مصنف علامہ بلاذریؒ کے اقتباسات بھی کافی حد تک مفید ہیں اسلئے فتوح البلدان کے چند اقتباسات ایک خاص ترتیب کے ساتھ ملاحظہ کیجئے، علامہ بلاذریؒ حضرت عبد اللہ بن صغیر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

"عہد جاہلیت میں اہل مکہ کے درمیان ہرقل قیصر روم کے دینار اور فارس کے بغلی درہم رائج تھے ان کے تمامتر کاروبار کا مدار انہی پر تھا مثقال ان کے نزدیک ایک معروف معیار تھا جس کا وزن کچھ کم بائیس(۲۲) قیراط تھا اور دس درہم اس وزن کے لحاظ سے سات مثقال کے برابر ہوتا تھا ان کی مارکیٹ میں رطل نام کا ایک پیمانہ بھی

---

6 -کتاب الاموال لابی عبید ص ۶۲۹ و ۶۳۰ مفہومہ

جاری تھا جس کا وزن بارہ (۱۲) اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا ظہور اسلام کے بعد عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین بلکہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ تک یہی وزن عرب میں جاری رہا، البتہ مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے عہد میں ان کے حکم سے حضرت مصعب ابن زبیرؓ نے اس سے کمتر وزن کا درہم جاری کیا جو کچھ دنوں کے بعد ان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی بند ہو گیا۔

عہد بنو امیہ میں جب عبد الملک ابن مروان خلافت کے منصب پر فائز ہوا تو اس نے درہم و دینار سے متعلق مکمل تحقیقات کے بعد اپنے گورنر حجاج ابن یوسف کے نام ایک نئی نوع کا سکہ ڈھالنے کا حکم جاری کیا جس کا وزن پندرہ (۱۵) قیراط متعین کیا گیا تھا یہ سکہ "دمشقی سکہ" کے نام سے مشہور ہوا[7]۔

اسلامی سکے کا سن آغاز اور محرک اول

یہاں پر ایک بحث یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے اسلامی سکہ کا آغاز کس نے کیا اور کس سنہ میں ؟۔۔ تو اس کے بارے مؤرخ بلاذری کی تحقیق جو وہ مشہور تابعی حضرت سعید ابن مسیبؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کا آغاز عبد

7۔ فتوح البلدان ج۳ ص ۵۷۱، ۵۷۲

الملک ابن مروان کے عہد میں ہوا حضرت سعیدؓ کہتے ہیں کہ خود میں نے سونے کی ڈلی اس مقصد سے دارالسلطنت دمشق بھیجی تو وہ مثقال کے وزن کے مطابق ڈھل کر میرے پاس آگئی۔

سن آغاز کے متعلق بلاذری حضرت ابو الزناد کے حوالے سے کہتے ہیں، ۷۴؁ھ میں عبد الملک نے دار الضرب کی بنیاد ڈالی اور سکہ ڈھالنے کا باقاعدہ کام شروع ہوا ،ابوالحسن مدائنی کا بیان یہ ہے کہ عبد الملک کے اس آغاز کے بعد ۷۵؁ھ میں حجاج نے اپنے ریاستی دار الضرب میں جو در حقیقت مرکزی ریزرو بینک کے برانچ کی حیثیت رکھتا تھا سکہ ڈھالنے کا کام شروع کیا جب اسے اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی تو اس نے ۷۶؁ھ کو پورے ملک میں اس کی متعدد شاخیں قائم کیں اور اس طرح پوری اسلامی حکومت حرکت میں آگئی چونکہ حجاج عبد الملک کا صرف گورنر ہی نہیں بلکہ نہایت قابل اعتماد مشیر بھی تھا اس لیے اس کے اس دانشمندانہ اقدام سے وہ صرف نظر نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے اس کی سرکاری طور پر تصدیق کی اور عالم اسلام کے تمام صوبوں میں اسلامی سکے کا رواج ہو گیا۔

اس تحقیق کی روشنی میں سرکاری طور پر مؤثر انداز میں سکہ کا کام سب سے اول ۷۴؁ھ میں شروع ہوا۔ لیکن یحیٰ ابن نعمان کا بیان یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے اس کے آغاز کا سہرا حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے سر ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے مکی عہد

حکومت میں ۷۰ھ میں سکہ ڈھالنے کا حکم دیا تھا اور ان کے اسی حکم کے مطابق حضرت مصعب ابن زبیرؓ نے ایک خاص قسم کا درہم جاری کیا تھا جس کے ایک جانب "اللہ" اور دوسری جانب "برکۃ" لکھا ہوا تھا، کلبی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ درہم کے علاوہ دینار بھی ان کے عہد میں ڈھالا گیا تھا، جس پر اسی طرح اللہ اور برکۃ کے الفاظ لکھے ہوئے تھے،۔۔۔۔۔ البتہ یہ سکہ مکہ کے بازاروں میں بہت زیادہ دنوں تک نہ چل سکا بلکہ جب حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ حجاج کے ہاتھوں جنگ میں شہید ہوئے اور مکہ پر حجاج کا غلبہ ہوا تو اس نے حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کی تمام اصلاحات واحکام میں ترمیم و تبدیل کے ساتھ سکے کو بھی بدل دیا پھر اس نے جو سکہ جاری کیا اس پر اللہ اور برکت کے بجائے ایک جانب بسم اللہ اور دوسری جانب الحجاج نقش تھا، مگر ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اس نے سکے کے نقش کو بدل کر اس پر ایک طرف اللہ احد اور دوسری طرف اللہ الصمد نقش کرنے کا حکم جاری کیا[8]۔۔۔۔۔ تاریخ نے حجاج کے جاری کردہ ان دراہم کا نام "دراہم مکروھہ" رکھا تھا، اس کا نام "دراہم مکروہہ" (ناپسندیدہ سکے) کیوں رکھا گیا؟ اس سلسلہ میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے عام طور پر ترجیح اس بات کو دی گئی ہے کہ ان دراہم پر چونکہ اللہ احد اللہ الصمد منقوش تھا اس لئے فقہاء نے اس کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ جنبی، حائضہ، پاک وناپاک ہر طرح کے آدمی اسے چھوتے اور اٹھاتے تھے۔

---

8 ۔فتوح البلدان ج۳ص ۵۷۱، ۵۷۲

سکے پر عراقی حکومت کی تبدیلیوں کا اثر

حجاج کے بعد یزید ابن عبد الملک کے زمانہ میں عراق کا گورنر جب عمر ابن ہبیرہ کو بنایا گیا تو اس نے اپنی گورنری میں درہم کے معیار کو مزید بلند کیا، دارالضرب کی غفلتوں کی بنا پر درہم میں جو آمیزشیں رہ گئی تھیں ان کو اس نے صاف کروایا اور اچھے اور خالص اجزاء سے درہم ڈھالنے کا تاکیدی حکم جاری کیا پھر اس کے بعد ہشام ابن عبد الملک کے عہد میں خالد ابن عبد اللہ البجلی کو عراق کا گورنر بنایا گیا تو یہ شدت میں اپنے پیشرو حکمراں سے بھی سبقت لے گیا اس نے درہم کے معیار کو بلند سے بلند تر کیا، خالد کے بعد یوسف ابن عمر جب گورنری کے عہدے پر آیا تو وہ شدت میں ظلم کی حد تک پہونچ گیا، معمولی معمولی چوک کی بنا پر دارالضرب کے بڑے بڑے افسروں کے ہاتھ اس نے کٹوا دیئے اور کوڑے لگوائے، دارالضرب کیلئے اس نے وہ سخت قوانین نافذ کئے جن کی بنا پر اس کے عہد کا درہم پورے عہد بنو امیہ کا سب سے بہتر اور معیاری درہم بن گیا، ویسے ابن ہبیرہ سے لیکر یوسف تک تینوں عہد کے سکے بنو امیہ کے مثالی سکے سمجھے جاتے تھے ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خلافت بنو امیہ کے زوال کے بعد جب عباسی دور شروع ہو گیا اس وقت بھی منصور جیسا زبردست خلیفہ بنو امیہ کے ان تینوں عہد کے سکوں کی اہمیت کا

انکار نہ کر سکا منصور نے اپنے وزارت خزانہ کو پابند کر دیا تھا کہ ان تین سکوں کے سوا بنو امیہ کے عہد کا کوئی سکہ قبول نہ کیا جائے[9]

سکہ مختلف ادوار میں

یہ اسلامی تاریخ کا وہ دور ہے، جس میں سکے سونا یا چاندی سے بنتے تھے، کسی دوسری دھات کا استعمال اس میں نہ ہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تھا تو برائے نام کسی ضرورت ومصلحت کی بنا پر، بعد کی صدیوں میں یہ صورت حال باقی نہ رہی، نہایت تدریج کے ساتھ تاریخ نے کروٹ لی، اور سکے کی تاریخ کرنسی نوٹ سے بدل گئی، آیئے ایک نظر ہم سکہ کے تدریجی سفر پر ڈالیں جس سے ہمیں سکہ کی صحیح حیثیت سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

سکے کی تاریخ کا جب ہم گہرائی کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اسکو چار ادوار میں تقسیم کرنا پڑتا ہے:

(۱) خالص درہم و دینار کا دور　　(۲) مخلوط درہم و دینار کا دور

(۳) فلوس کا دور　　(۴) کرنسی نوٹ کا دور

دور اول پر اجمالی نظر

---

[9] - فتوح البلدان ج۳ص۵۷۶

(ا)اب تک کی گفتگو دور اول ہی سے متعلق تھی جس میں خالص سونے یا چاندی کے سکے تیار کئے جاتے تھے اور وہ بھی اتنے اہتمام و تاکید کے ساتھ کہ ذرا سی چوک پر حکومت کی جانب سے سخت گرفت ہوتی تھی، ہاتھ تک کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا، حکومت اسلامیہ کی جانب سے اسی سختی کا اثر تھا، کہ دور اول کے عام مسلمان سے لیکر دارالضرب کے اونچے سے اونچے عہدیدار تک درہم و دینار کے باب میں کسی خیانت کا مظاہرہ نہیں کرسکتے تھے، کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ درہم جس کا وزن چھ دانق ہوا کرتا تھا اس کو کھرچ کر پانچ دانق کردے اگر ایسا کوئی کرسکتا تو اس کے نفع کا اندازہ کرنا مشکل تھا اسلئے کہ ہر چھ درہم پر اسے ایک درہم کا مفت اضافہ ہوتا ، مگر یہ حکومت اسلامیہ اور مسلم معاشرہ کیلئے کس قدر مضرت رساں ثابت ہوتا، اور سرمایہ داری کے فروغ کے کیسے خطرناک دروازے کھل جاتے، ان کا تصور بھی سوہان روح ہے۔

سکہ کی بنیادی دفعہ

اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ نے درہم و دینار کے اس پہلو پر خاص توجہ دی تھی، ہمارا زمانہ جو سکہ کے دور رابع سے تعلق رکھتا ہے، شریعت کے ان قوانین کی ضرورت پوری طرح محسوس نہیں کرسکتا، جو اس نے درہم و دینار کے خالص ہونے کے بارے میں قائم کئے تھے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں درہم و دینار کو توڑنا یا اس کو مقررہ وزن سے کم کرنا سخت گناہ کی چیز تھی، حضور ﷺ کی اس حدیث میں جس

کو حضرت عبد اللہ بن عمرو المازنیؓ نے نقل کیا ہے، درہم و دینار کی اسی بنیادی دفعہ کو بیان کیا گیا ہے:

نهى رسول الله ﷺ ان تكسر سكة المسلمين الجائزة بينهم الامن باس[10]

ترجمہ: حضرت رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کے سکہ رائج الوقت کو بغیر کسی ضرورت شدیدہ کے توڑنے اور کھرچنے سے منع فرمایا ہے۔

امام حاکم نے اس روایت میں ایک ٹکڑے کا اضافہ نقل فرمایا ہے:

نهى ان تكسر الدراهم لتجعل فضة وتكسر الدنانير لتجعل ذهبا[11]

ترجمہ: حضور ﷺ نے درہم یا دینار کو اس غرض سے توڑنے سے منع فرمایا کہ اس کو دوبارہ چاندی یا سونا بنا دیا جائے۔

---

[10]- سنن أبي داود ج 3 ص 286 حديث نمبر :3451 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي -علامہ مناویؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے(التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج۲/ص۴۷۷)

[11]- مسند حاکم بحوالہ نیل الاوطار ص328 ابن حبان نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

حاکم کے اس اضافے سے "الامن باس" کی توضیح ہوتی ہے، کہ جو شخص اس غرض سے سکہ کو توڑتا ہے کہ اسے سونا یا چاندی میں تبدیل کرے، تو درحقیقت وہ پورے معاشرہ، بلکہ پورے ملک کو تباہی کے آتش فشاں میں جھونکنے کی کوشش کرتا ہے، یہ مسلمانوں کے ذرائع مبادلہ کو نقصان پہونچاناہے، البتہ کسی ضرورت یا مجبوری کے تحت سکہ توڑنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، ضرورت یا مجبوری کی تفسیر بعض صحابہ اور علماء سے یہ منقول ہے، کہ مثلاً سکے میں کافی کھوٹ ملا ہوا ہو، یا کنارے سے کھرچ کر، یا قینچی سے کاٹ کر ہلکا بنادیا گیا ہو، تو ایسے سکوں کو توڑ دینے کی اجازت ہے[12]۔

حدیث شریف کی اس تشریح کے اعتبار سے سکہ کے دو سیاسی اور تمدنی پہلو روشن ہوتے ہیں:

(۱) مکمل سکہ کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے، اس کا ارتکاب کرنے والا اسلامی قانون کی نگاہ میں بہت بڑا مجرم ہے۔

(۲) ناقص اور کھرچا ہوا سکہ، معاشرہ میں چلنے کے لائق نہیں ہے، اس لئے اس کو توڑ کر ختم کر دینے کی اجازت ہے۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سکہ کو توڑنا جتنا بڑا گناہ ہے، اس کو کھرچنا یا قینچی وغیرہ سے تراشنا بھی اس سے کم گناہ نہیں ہے، اس لئے کہ کاٹنے اور کھرچنے کے بعد

---

12 -الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۱۸۳

وہ سکہ مارکیٹ میں چلنے کے لائق نہیں رہ جاتا، تو کھرچنے والا در حقیقت سکے کے کسر و تضییع ہی کا جرم کرتا ہے، اس لئے وہ گناہ اور جرم کے اعتبار سے سکہ توڑنے والے سے کسی درجے میں کم نہیں ہے۔

بعض مفسرین کے بیان کے مطابق سکہ توڑنا اور کاٹنا اتنا شدید جرم ہے کہ اس کے ارتکاب کرنے والے پر خدا کا قہر نازل ہو سکتا ہے، اگر کوئی قوم اور معاشرہ اجتماعی طور پر اس جرم میں مبتلا ہو جائے تو سنت الٰہی یہ ہے کہ ایسی قوم خدائی عذاب کا نشانہ بنادی جاتی ہے، اور اس کو صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اسی جرم کا ارتکاب کیا تھا، حضرت شعیبؑ نے ان کو اس گناہ سے باز رکھنے کی کوشش کی تو انہوں نے پیغمبر خدا کے ہر مثبت قدم کا منفی انداز میں جواب دیا، آخر خدا کا عذاب ان پر نازل ہوا، اور ان کو افسانۂ ماضی بنا دیا گیا۔ قرآن مجید میں قوم شعیبؑ کا جرم خود انہی کی زبانی یہ نقل کیا گیا ہے:

قالوا یاشعیب اصلواتک تامرک ان نترک مایعبد آباؤنا او ان نفعل فی اموالناماتشاء[13]

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ اے شعیبؑ! تیری نمازیں تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء

13۔ ھود: ۸۷

کیا کرتے تھے؟ یا ہم اپنے اموال میں اس طرح تصرف کریں جس طرح کہ تم چاہتے ہو؟

قرآن نے یہ تو بتا دیا کہ ان کا جرم توحید کے علاوہ مالیات سے بھی تعلق رکھتا تھا، لیکن اس کی وضاحت نہیں کی کہ ان کا جرم کس نوعیت کا تھا؟ اس نوعیت کی تعیین میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں:

☆ایک رائے یہ ہے کہ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ ترازو میں ڈنڈی مارتے تھے، اور کمی بیشی کے ساتھ تولتے تھے۔

☆ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ان کا جرم یہ بھی تھا کہ وہ سکوں میں قطع و برید کرتے تھے۔

علامہ ابن جریر طبریؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی تفاسیر میں اس آیت کے تحت صحابہ کے بہت سے ایسے آثار و اقوال نقل کئے ہیں، جن سے دوسری رائے کی تائید ہوتی ہے، مثلاً: حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ تفسیر نقل کی گئی ہے:

قولہ تعالی: یاشعیب اصلواتک الآیۃ، قال نھاھم عن قطع الدنانیر والدراھم فقالوا انماھی اموالنان نفعل بھاما نشاء قطعناھا،وان شئنا احرقناھا،وان شئنا طرحناھا"

حضرت ابن زیدؒ تفسیر فرماتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو درہم و دینار کی قطع وبرید سے باز رکھنا چاہا تو اس پر انہوں نے کہا کہ یہ مال ہمارا ہے، ہم جو چاہیں کریں، کاٹیں، جلا ڈالیں، دریابرد کر دیں، آپ کو بولنے کا حق کیا پہونچتا ہے؟

حضرت محمد بن کعب القرظیؒ کا قول ہے:

عذب قوم شعیب ؑ فی قطعہم الدراھم وھو قولہ تعالیٰ اوان نفعل فی اموالنامانشاء۔

حضرت شعیبؑ کی قوم کو درہم کے تراشنے کے جرم میں سزادی گئی، جس کا ثبوت آیت سے ملتا ہے۔

حضرت زید بن اسلمؒ کا تفسیری ارشاد ہے:

اوان نفعل فی اموالنامانشاءقال:قرض الدراھم و ھو من الفساد فی الارض

آیت کی روشنی میں دراہم کو کاٹنا زمین میں فساد اور تباہی مچانے کے مترادف ہے۔

مشہور تابعی حضرت سعید ابن مسیبؒ نے بھی اسے فساد فی الارض سے تعبیر کیا ہے[14]

اسلامی حکمرانوں کا طرز عمل

[14] - پوری بحث کے لئے دیکھئے: تفسیر طبری ج۶ ص ۶۲ اور الدر المنثور للسیوطی ج۳ ص ۳۴۶

قرآن وحدیث کے یہی واضح اشارات اور پختہ قوانین تھے جن کی بناپر اسلامی حکمرانوں نے اس باب میں انتظام واہتمام کا وہ مظاہرہ کیا تھا، جس کی نظیر دنیا کی اقتصادی تاریخ میں نہیں ملتی، تاریخ کے مطابق متعدد مسلم حکمرانوں نے درہم و دینار میں قطع وبرید اور اس میں ملاوٹ کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دیں، مثلاً:

(۱) حضرت عمرؒبن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں ایک شخص کو گرفتار کر کے لایا گیا جس کا جرم یہ تھا کہ وہ جعلی سکہ تیار کرنے کی مشین رکھے ہوئے تھا اور وہ اپنے سکے خود تیار کرتا تھا، حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے اس کو سخت سزادی، اس کے بعد اس کو قید میں ڈال دیا اور اس کی مشین آگ میں جلاڈالی۔

(۲) عبد الملک بن مروان کے عہد میں بھی ایک شخص کو اس جرم میں پکڑا گیا تو عبد الملک نے اس کا ہاتھ کٹوادیا اور کچھ سزائیں دے کر چھوڑ دیا، جس تاریخ کے مطابق استحسان اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا گیا، اس وقت کے بڑے بڑے علماء نے عبد الملک کی اس باب میں تعریف کی۔

(۳) مروان ابن الحکم کے دور حکومت میں ایک شخص کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا کہ وہ سکہ میں قطع وبرید کرتا تھا تو اسلامی عدالت نے اس کو شدید سزادینے کا فیصلہ سنایا

(۴) ابان ابن عثمانؒ جس وقت مدینہ کے گورنر تھے، انہوں نے اپنے دور میں کئی ایسے مجرموں کو تیس تیس (۳۰) کوڑے لگوائے اور پورے شہر میں ان کی ذلت آمیز گشتی کروائی، جو سکے میں کانٹ چھانٹ کیا کرتے تھے [15]

(۵) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ جس زمانہ میں مکہ کے حاکم تھے اس وقت ایک ایسا شخص پکڑا گیا جو درہم میں تراش خراش کرتا تھا، تو انہوں نے اس کے ہاتھ کٹوا دیئے [16]۔

قطع و برید کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مسلک

مسلم حکمرانوں کا عمل وقتی مصالح پر مبنی تھا، اسی لئے ہر حکمراں نے اپنے وقت کے مطابق جیسا مناسب سمجھا ویسا فیصلہ کیا، ائمہ اربعہ اگرچہ درہم و دینار کی قطع و برید پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دیتے مگر اس کو ناپسندیدہ حرکت ضرور قرار دیتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ تو اس کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتے ہیں ،اس کو کسی صورت میں جائز نہیں قرار دیتے، خواہ عذر ہو یا نہ ہو [17]۔ حضرت امام شافعیؒ ضروت کے وقت اس کی اجازت دیتے ہیں، اور بلا ضرورت مکروہ کہتے ہیں، [18] امام مالک بھی اس کو مکروہ اور فساد فی الارض قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ صرف اس وقت اس کو جائز نہیں سمجھتے جب کہ اسلام یا

---

15 ۔فتوح البلدان ج۳ ص ۴۷۷

16 ۔الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۱۸۳

17 ۔الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۱۸۲

18۔فتوح البلدان ج۳ ص ۵۷۷

مسلمانوں کو اس سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو (اور میں اشارہ کر چکا ہوں کہ اس میں مسلمانوں اور حکومت اسلامیہ کا نقصان لازمی ہے)

یہ پوری تفصیل ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے تھی کہ دور اول کے سکے کا پورا نقشہ سامنے آجائے،اوراس کی صحیح اہمیت اور حقیقی خدوخال کا اندازہ بھی ہو جائے ،یہ صورت حال ظہور اسلام کے بعد تین صدیوں تک باقی رہی۔

دور ثانی

(۲) چوتھی صدی کے آتے ہی تاریخ نے کروٹ لی،حالات نے رخ بدلے،اور سکہ کے ایک دوسرے دور کا آغاز ہو گیا، اب دارالضرب میں جس قسم کے سکے تیار ہونے لگے تھے،اس میں چاندی کے اجزاء کے ساتھ دوسری دھاتیں بھی بڑی مقدار میں ملادی جاتی تھیں ، ایسے سکے ابتدائی تین صدیوں میں بھی پائے جاتے تھے،مگر بہت کم ،ان کارواج معمولی تھا،اسی بناپر ایسے مخلوط سکے کو اصطلاح میں کھوٹاسکہ کہا جاتا تھا،سکۂ رائج الوقت سے صرف وہ سکہ مراد ہوتا تھا، جس میں خالصتاً چاندی کے اجزاء ہوں ،اصطلاحات کی یہ تقسیم خود بتاتی ہے کہ کھوٹے سکے کو اصل کی حیثیت حاصل نہ تھی، بلکہ ایک غیر قانونی جعلی سکے کی حیثیت سے وہ موجود تھا، غیر قانونی کا لفظ شاید قابل اعتراض ہو،اس لئے میں وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ قانون سے مراد معاشرے کا مجموعی مزاج

ہے، اس لئے کہ قوانین کی باقاعدہ تدوین، اور اس کے لئے قانون ساز اسمبلی کا مضبوط تصور اب تک قائم نہ ہو سکا تھا۔

صدیوں کی رفتار کے ساتھ قانونی استحکام بڑھا، مگر ساتھ درہم و دینار کے معیار میں انحطاط پیدا ہوا، مشہور ماہر قانون علامہ ابن قماتی اپنی مایہ ناز کتاب " قوانین الاواوین میں ۵۸۶ھ کی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

تین سو درہم وزن کے برابر چاندی کو سات سو درہم وزن کے سرخ تانبا میں ملا دیا جاتا تھا، اور پھر اس کو آگ پر پگھلا کر ایک مرکب دھات تیار کرلی جاتی تھی، اور اس کے بعد اسی دھات سے سکے ڈھالے جاتے تھے [19]

ایک دوسرے مؤرخ علامہ قلقشندیؒ " مسالک الابصار " کے حوالے سے علامہ مقر الشہابی ابن فضل اللہ کی تحقیق نقل کرتے ہیں جس سے چھٹی اور ساتویں صدی کے مصر و شام کی ٹیکسالی پوزیشن پر بھرپور روشنی پڑتی ہے:

" ظاہر بیبرس [20] کے عہد حکومت میں درہم کا صحیح اور مقبول معیار یہ تھا، کہ اس کے اجزاء ترکیبی میں صرف دو تہائی چاندی ہوتی تھی، اور ایک تہائی تانبا شامل کر دیا جاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (پھر مصنف اپنے دور

---

[19] - قوانین الاواوین ص ۲۵

[20] - ظاہر بیبرس کا انتقال دمشق میں محرم ۶۷۶ھ کو ہوا۔

کی صورت حال کے بارے میں لکھتے ہیں) ہمارے دور میں تانبا کی مقدار تہائی سے بڑھ گئی ہے،(مگر یہ سکے ہر دار الضرب میں نہیں بنتے تھے، بلکہ کسی کسی ذیلی دار الضرب میں تیار ہوتے تھے،اس لئے لکھتے ہیں کہ) ایسے سکے عام رائج الوقت سکوں کے ساتھ تو چل جاتے ہیں، مگر الگ سے دکاندار اس کو قبول نہیں کرتے [21]

اس سے زیادہ تفصیل علامہ مقریزیؒ کے یہاں ملتی ہے،وہ اپنی کتاب "اغاثۃ الامۃ" میں لکھتے ہیں:

"ابتدا میں دراہم سود (سیاہ سکے) کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں تھی کہ اس میں چاندی کے ساتھ معمولی مقدار میں تانبا کے اجزاء بھی ملا دیئے جاتے تھے،یہی سکے مصر وشام میں عام طور پر چلتے تھے، یہاں تک کہ مصر وشام پر خاندان ایوبی کی حکومت قائم ہوئی، پھر جب محمد بن عادل تخت نشیں ہوا، تو اس نے ذیقعدہ ۶۲۲ھ کو دار الضرب کے نام حکم صادر کیا کہ گول سکے تیار کئے جائیں، جب گول سکے تیار ہو کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیلنے لگے، تو کامل کی دار الامارت سے دوسرا حکم صادر ہوا کہ قدیم مصری سکے (جس میں چاندی کے اجزاء

---

21 - صبح الاعشی للقشقندی ج۳/ ص۴۶۶

غالب اور تانبا کے اجزاء معمولی ہوتے تھے، جس کو مصریۃ العتق کہا جا تا تھا) بند کر دیئے جائیں آج کے بعد کوئی شخص مصریۃ العتق سکے سے کاروبار کرتا ہوا پکڑا جائے گا تو اسے سخت سزا دی جائے گی، اب صرف کاملی سکوں سے کاروبار کرنے کی اجازت ہے، کامل کے اس اعلان کے بعد پورے مصر و شام سے مصریۃ العتق کا رواج اٹھ گیا، مصر و شام پر کاملی سکوں کا تسلط ہو گیا، اور لوگ سارے معاملات انہی سکوں سے کر نے لگے۔۔۔۔قدیم مصری سکے اور کاملی سکے میں فرق یہ تھا کہ قدیم سکے میں چاندی کے ساتھ بہت ہی معمولی مقدار میں تانبا شامل ہوتا تھا ، جبکہ کاملی سکے میں ایک تہائی تانبا شامل کر دیا گیا تھا، جتنی چاندی سے ایک سو (۱۰۰) خالص سکے تیار ہوتے تھے، اب تانبا کی ملاوٹ کے بعد اس سے ڈھیر سو (۱۵۰) سکے تیار ہو رہے تھے۔

یہی سکے کامل کے بعد خاندان ایوبی کے پورے عہد حکومت میں رائج رہے، یہاں تک کہ ایوبی حکومت کے زوال کے بعد، مصر و شام پر جب ان کے ترک غلاموں کی حکومت قائم ہوئی تو اس دور میں بھی یہی سکے چلتے رہے، غلامانہ حکومت کے پورے دور پر یہ سکہ چھایا رہا، انتہا یہ تھی کہ سونے کے مقابلے میں لوگ انہی سکوں کو کاروبار کے

لئے ترجیح دینے لگے تھے، اہم سے اہم چیزوں کی خرید و فروخت سونے چاندی کی بجائے کا ملی سکوں سے کی جاتی تھی، عشر و خراج، دوسرے ٹیکس، ملازمین کی تنخواہیں، یہ سب انہی سکوں سے ادا کی جاتی تھیں، اس وقت ایک درہم کا وزن اٹھارہ (۱۸) خروبہ ہوتا تھا، اور ایک خروبہ کا وزن تین گیہوں کے برابر تھا، ایک مثقال کا وزن چوبیس (۲۴) خروبے کے برابر تھا، اس دور کی تاریخ کا یہ بھی ایک اہم جز ہے کہ مصر و شام پر ایک حکومت ہونے کے باوجود سنگ معیار کی قدریں دونوں جگہ مختلف تھیں، خود مثقال جو سب سے مشہور اور انقلابات سے متاثر نہ ہونے والا پیمانۂ وزن تھا، وہ بھی مصر و شام کے حدود سے اثر پذیر ہو چکا تھا، شامی مثقال کا وزن مصری مثقال کے مقابلے میں کچھ کم تھا، ہر سو (۱۰۰) شامی مثقال میں مصری لحاظ سے سوا مثقال کم ہو جاتا تھا، دراہم کا حال بھی اس سے مختلف نہ تھا، ابتدائی تین صدیوں میں درہم کا جو وزن مقرر کیا گیا تھا اس میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی، اس کے علاوہ مصر و شام میں درہم کے جدگانہ اوزان تھے[22]

دور ثالث

---

22 -اغاثۃ الامۃ للمقریزی ص ۶۵، ۶۶

(۳)حالات نے پھر کروٹ لی مخلوط سکوں کا دور بھی ختم ہوا اور ایک تیسرے دور کا آغاز ہوا، جو فلوس کا دور کہلاتا ہے، اہل لغت کا خیال ہے کہ فلس یونانی زبان کا لفظ ہے، یونانی زبان میں فلس تانبا کے سکے کو کہا جاتا ہے[23] عربوں نے معنی سمیت اس لفظ کو لے لیا، جب اسلامی حکومت میں مخلوط دراہم کا رواج اٹھنے لگا اور ان کی جگہ خالص تانبا کے سکوں نے لینی شروع کی تو عربی زبان میں اس کے لئے کوئی لفظ نہ تھا، اس لئے کہ عربوں کی پوری تاریخ اب تک ان حالات سے دوچار نہ ہوئی تھی، جن کا آج سامنا تھا اس لئے انہوں نے اس کے لئے یونانی زبان سے یہ لفظ مستعار لیا۔۔۔۔۔ اس استعارے سے یہ بات بدیہی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ فلوس کے اعتبار سے یونان کی تاریخ قدیم ہے، اور جس وقت مسلمانوں کے درمیان درہم و دینار چل رہے تھے، اس دور میں بھی یو نانی معاشرے میں تانبا کے سکے سرکاری اور لغوی اہمیت کے حامل تھے۔

مجھے کہنے دیجئے کہ یہ حالات بھی یونان ہی کی دین تھے جس کے لئے مختلف نظائر موجود ہیں، مثلاً: یونانی نو مسلموں، یا اہل تشکیک نے اپنے فلسفے کے ذریعہ مسلمانوں کے صاف ذہنوں کو آلودۂ تشکیک کیا، اورانہوں نے پراگندگیٔ خیال اور انتشار ذہنی کا ایسا طوفان پورے عالم اسلام میں برپا کیا کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، یہاں تک کہ مسلمانوں کو مجبوراً قرآن وحدیث کا سادہ اسلوب اور سنجیدہ طرز فکر کے

---

23 ضحیٰ السکۃ فی فجر الاسلام ص ۴۰

بجائے یونانی فلسفے کا پیچیدہ اور خم دار طرز گفتگو اور منطقی پیرایۂ استدلال کا سہارا لینا پڑا، آغاز میں تو یہ مجبوری تھی، مگر بعد میں یہ ذوق بن گیا، اور اسلامی علوم وفنون کا لازمی جزو بن گیا، ۔۔۔اسی طرح عجمیوں کے اختلاط اور ان کی لغوی دخل اندازی کی بنا پر عربوں کی فصیح زبان پر برا اثر پڑا، تو اس کی حفاظت کے لئے نحو وصرف کے فنون ایجاد کرنے پڑے۔۔ ۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ سکے کے معاملہ میں بھی یہی سبق دہرایا گیا تھا، اولاً ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ مخلوط دراہم پیدا کرنے کی ذہنیت پیدا ہوئی، پھر یہ ذہنیت رفتہ رفتہ ترقی کر کے سونا چاندی کے مکمل تحفظ کے تخیل میں تبدیل ہوگئی، جو سرمایہ دارانہ تبلیغ کے طور پر پیدا کیا گیا تھا، اس کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ سونا چاندی کو محفوظ کر لینے کے بعد کس چیز کا سکہ تیار کرنا ہوگا؟ اور اس کا نام پھر کیا ہوگا؟ یونان نے اس کے جواب میں اپنے فلوس دکھلائے، جو ان کے ہر سوال کا جواب تھا، عربوں نے فلوس کو جوں کا توں لے لیا، اور پھر ان کا استعمال اسلامی فلوس کی حیثیت سے ہونے لگا۔

یہاں پر لفظی وحدت کے ساتھ فکر و معنی کا کھیل کیسی ندرت رکھتا ہے؟ یونان کی سازشوں سے مسلمان فکری پیچیدگیوں سے دوچار ہوئے تو ان کے حل کے لئے خود یونان نے فلسفہ پیش کیا، اسی طرح جب انہی کی کوششوں سے مسلمان مالی اور اقتصادی مشکلات میں مبتلا ہوئے، تو پھر انہوں نے ان کے علاج کے طور پر فلوس کا نسخہ پیش کیا، یہ

فلسفہ اور فلوس کا مادی اور لغوی قرب اس پوری داستان کے مضمرات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، جن کی طرف میں نے خفیف اشارے کئے ہیں۔

دورِ رابع

(۴) فلوس کے عہد نے بھی اپنی میعاد پوری کی، تاریخ اپنے نئے چہرے کے ساتھ ظاہر ہوئی، اور سکہ کی داستان کا وہ باب لکھا گیا، جس کے عنوانات آج تک ہم پڑھ رہے ہیں، اور جس نے نہ معلوم نظر و فکر کے کتنے زاویئے قائم کر دیئے ہیں، یہ چوتھے دور کا آغاز تھا، جس میں دھات کے بھاری اور وزنی سکے کی جگہ کاغذی نوٹوں نے لے لی، کرنسی نوٹ کی فکری بنیاد اسلامی تاریخ کے ابتدائی عہد ہی میں پڑ گئی تھی، مؤرخ بلاذری لکھتے ہیں کہ ایک بار امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجلس شوری سے خطاب کرتے ہوئے، فرمایا کہ:

"میرا ارادہ ہے کہ اونٹ کی کھال کے سکے تیار کراؤں مگر اہل شوری نے اس پر یہ عرض کیا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو عرب میں ایک اونٹ بھی باقی نہ رہے گا، یعنی تمام لوگ اپنے اپنے اونٹ ذبح کر کے اس کی کھالیں دار الضرب کے ہاتھ زیادہ قیمت ملنے کی امید پر فروخت کر ڈالیں گے، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اپنی رائے بدل دی[24]

---

24 ۔فتوح البلدان ج۳ص۵۷۸

یادرہے کہ یہ وہ وقت تھا جس میں کاغذ کی جگہ پر کھال کا استعمال بھی کیا جاتا تھا ــــــ اگر حضرت عمرؓ کی رائے عملی صورت میں آجاتی،توکرنسی کی تاریخ میں مسلمان سب سے بڑے کردار کی حیثیت سے متعارف ہوتے ، مگر فکری بنیاد رکھنے کے باوجود مسلمان کرنسی کی تاریخ کا عملی آغاز نہ کرسکے ،بلکہ مشہور روایت کے مطابق اس کا باقاعدہ آغاز سب سے اول چین کی جانب سے ہوا، تاریخ میں اختلاف ہے ،ایک رائے یہ ہے کہ ، یہ مغلوں کے عروج کا دور تھا،اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ، اس سے پہلے ہی چین کرنسی نوٹوں کا آغاز کرچکا تھاــــــ البتہ چینیوں کی اس کرنسی سے مسلمانوں کو سب سے پہلے باخبر کرنے والے مشہور سیاح ابن بطوطہ ہیں [25] ،اور یورپ میں اس کا پہلا انکشاف مارگوپولو نے تیرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں چین کے طویل سفر کی واپسی پر کیا،یہ مغل حکمران دولائی خان کا دور حکومت تھا [26] ــــــــــ لیکن یورپ میں سترہویں صدی کے نصف ثانی میں جس طرح کرنسیاں رائج ہوئیں،ان کو اس چینی کرنسی سے کوئی نسبت نہ تھی،جو ان کا اصل نقطۂ آغاز تھا،کیونکہ چینی کرنسی مستقلاً اسی طرح سکے کی حیثیت رکھتی تھی،جو کسی زمانہ مین سونے یاچاندی کے سکوں کو حاصل تھی،اسی لئے چینی کرنسی

25 - تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار ج۴ / ص۲۵۹، ۲۶۰

26 - سفرنامہ مارگوپولو (انگریزی) ص۱۷۴، ۱۷۵ بحوالہ اضواء الشریعۃ ریاض ۱۴۰۲ھ

پر کوئی تحریر ایسی نہیں ہوتی تھی جس سے اس کی مستقل ثمنیت کی تخفیف کا کوئی اشارہ ملتا ہو، جبکہ یورپی کرنسی پر یہ تحریر موجود ہوتی تھی کہ:

"یہ در حقیقت رسید ہے اس کی قیمت کے بقدر سونے کی، مطالبہ پر اس کے مطابق سونا ادا کیا جائے گا"

یہ تحریر اس کی ثمنیت کی تخفیف کے لئے واضح ثبوت ہوتی تھی، اور اس وقت اس کی حیثیت سکہ اور ثمن سے گر کر وثیقہ اور سند کی ہو جاتی تھی۔

کرنسی تاریخ کے مختلف مراحل میں

تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ بھی اپنے دور ارتقا میں ایک حالت پر نہیں رہی، بلکہ مرحلہ وار اس کی عرفی حیثیت میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، ہم کرنسی کی ان تبدیلیوں کو پانچ مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) آغاز کے بعد جب اس کے ارتقاء کا دور شروع ہوا، تو سب سے پہلا بینک جس نے اس کے فروغ وارتقاء کی پہلی اینٹ فراہم کی، وہ سویڈن کا استوکھولم بینک ہے، جس کی بنیاد ۱۶۰۸ء میں رکھی گئی تھی، اس بینک نے کرنسی کو بنیادی اہمیت دی، اور اس سے کاروبار کے مختلف ذرائع پیدا کئے، اس بینک نے جب کرنسی نوٹ جاری کئے تو اس پر یہ تحریر درج ہوتی تھی کہ:

"میں اس کرنسی کے بقدر سونا یا چاندی ادا کرنے کی ضمانت لیتا ہوں"

اور یہ صرف وعدہ نہیں، بلکہ حقیقت تھی، اس بینک نے اس کو عملی جامہ پہنایا، ہر شخص کو کھلی چھوٹ دی کہ جب چاہے کرنسی جمع کر کے اس کے بقدر سونا وصول کرلے ، بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے زمانہ میں ڈرافٹ اور چیک کے ساتھ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ سترہویں صدی کا یہ بینک اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے یورپی بینکوں کے لئے نمونہ بن گیا، یورپ نے اسی کی تقلید میں چینی کرنسی کا انداز چھوڑ کر سویڈن کا راستہ اختیار کیا تھا، میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ یورپ کی کرنسی مستقل ثمن کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، بلکہ صرف وثیقہ اور سند کی حیثیت اسے حاصل تھی، کرنسی کے دور ارتقاء کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔

(۲) دوسرے مرحلہ میں اس میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں، مثلاً پہلے مرحلے میں (جیسا کہ میں نے عرض کیا) کرنسی نوٹوں کی حیثیت تجارتی ڈرافٹ یا چیک سے مختلف نہیں تھی، اس لئے جس طرح اس سے اصل سونا حاصل کرنا آسان تھا، اسی طرح یہ بھی شرط تھی کہ بینک سے جس نے دستخط کے ساتھ کرنسی وصول کی ہو ، وہی شخص دوبارہ دستخط کے ساتھ اس کے بقدر سونا یا چاندی وصول کر سکتا ہے، اس کرنسی کو کوئی دوسرا غیر متعلق آدمی دکھا کر بینک سے سونا حاصل نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ لیکن دوسرے دور میں یہ شرط ختم ہوگئی ، اور اس کی عرفی حیثیت بلند ہو کر درہم و دینار سے قریب تر ہوئی، اس دور کے مطابق جس شخص کے قبضے میں بھی وہ کرنسی موجود ہو، خواہ اس نے خود

بینک سے حاصل کئے ہوں یا کسی دوسرے آدمی کے واسطے یا واسطہ در واسطہ سے ملے ہوں ،اس کو بینک سے سونا حاصل کرنے کی اجازت تھی۔

(۳) اس کے بعد تیسرے دور میں کچھ مزید تبدیلیاں ہوئیں ،اب تک بینک صرف اتنے ہی نوٹ چھاپنے کا پابند تھا، جتنا اس کے پاس سونا موجود ہو، لیکن جب لوگوں کا اعتماد کرنسی نوٹوں پر اسی طرح پختہ ہو گیا جس طرح کہ درہم و دینار پر تھا، تو اس سے بینک کے ذمہ داروں نے غلط فائدے اٹھائے،اور انہوں نے مالی منافع کی خاطر اس پابندی کو بالائے طاق رکھ کر بھاری تعداد میں نوٹ چھاپنے شروع کئے، پھر نوبت یہاں تک پہونچی کہ نوٹوں کی تعداد کو سونا کی مقدار سے کوئی نسبت نہ رہی، جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک میں تو افراط زر ہو گیا، مگر عالمی منڈی میں اس کی حیثیت گرنے لگی، بعض ممالک تو اس افراط میں اس قدر آگے بڑھ گئے، کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں میں ان کے نوٹ کی کوئی قیمت ہی نہیں رہی، مثلاً ہمارا ہندستان ،اس صورت میں ان کے نوٹ صرف اندرون ملک کام کرتے ہیں ، ملک سے باہر یا تو سونا چاندیا دوسری خام اشیاء سے کاروبار کرنا پڑے گا، یا کسی بین الاقوامی نوٹ کا سہارالینا پڑے گا۔

(۴)شروع میں بینکوں کے جاری کردہ نوٹوں میں یہ آزادی تھی، کہ انسان نوٹوں کے ذریعہ معاملات کرنے کا پابند نہ تھا، مگر بعد میں یہ صورت باقی نہ رہی، بلکہ انہی نوٹوں کے ساتھ معاملات کرنا ضروری ہو گیا،اس کا سبب یہ تھا کہ پہلے ملک کے مختلف

بینکوں کو نوٹ چھاپنے اور جاری کرنے کا اختیار تھا، جیسا کہ چیک، ڈرفٹ، اور پرامیری نوٹ وغیرہ میں ہوتا ہے، اور اسی بنا پر انسان پابند نہیں تھا کہ وہ کسی ایک ہی بینک کی کرنسی قبول کرے، ہر انسان اپنی سہولت اور مفاد کے مطابق کسی بھی کرنسی کا مطالبہ کرسکتا تھا مگر بعد میں عام بینکوں کو نوٹ چھاپنے کا اختیار نہ رہا، بلکہ اس قسم کے تمام اختیارات مرکزی ریزروبینک کو محدود کردیئے گئے، اور اسی وقت سے ملک کے ہر شہری کو اس مرکزی بینک کی کرنسی قبول کرنے کا پابند کردیا گیا۔

(۵) کرنسی کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ وہ تحریر جس کی بنا پر نوٹ کے مالک کو اس کے بقدر سونا حاصل کرنے کا حق رہتا تھا، بعد میں چل کر یہ ایک رسمی تحریر رہ گئی، عملاً کسی شخص کو یہ حق نہیں رہا، کہ وہ نوٹ کی قیمت کے بقدر مرکزی بینک سے سونا وصول کرے، عملی طور پر ہر شہری کو سونا اور چاندی کے سکوں کی طرح نوٹ قبول کرنے پر مجبور کردیا گیا۔۔۔۔۔اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ نے ترقی کرکے مستقل ثمن عرفی کی حیثیت حاصل کرلی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے نقطۂ آغاز کی جانب واپسی ہے، اس لئے کہ میں عرض کرچکا ہوں کہ اس تحریر ضمانت کی بنیاد سویڈن بینک نے ڈالی تھی، جو چند دنوں تک اپنی معنویت رکھنے کے بعد بے معنی اور رسمی چیز ہوگئی تھی، تو درحقیقت سویڈن بینک کی رسم کا خاتمہ ہوا، اور کرنسی کا وہ بنیادی حق واپس ملا، جو اس کے مادر وجود چین نے دیا تھا۔

ان تفصیلات سے سکہ کا تاریخی رخ واضح ہو تا ہے، جس میں اس کے آغاز سے لیکر ارتقاء تک ،اور دور اول سے لیکر دور رابع تک پوری تاریخ کی جلی سرخیاں سامنے آجاتی ہیں۔

کرنسی نوٹ-ایک تحقیقی جائزہ

قدیم زمانے میں سونااور چاندی کے سکے رائج تھے، جن کو دینار و درہم کہا جاتا تھا ،لیکن مختلف تاریخی اسباب کی بنا پر سونا چاندی کے سکّوں کا رواج اٹھتا گیا، اور ان کی جگہ کرنسی نوٹوں نے لے لی،نوٹ در حقیقت حکومت کی جانب سے ایفائے عہد کی ایک رسید ہے کہ اس پر رقم کی جو مقدار تحریر کی گئی ہے،اس کے بقدر سونا چاندی نوٹ کا مالک کسی بھی وقت حکومت کے خزانے سے لے سکتاہے،اسی وجہ سے بہت دنوں تک اسے وثیقۂ زرہی کی حیثیت حاصل رہی، اور اسی کے مطابق فتوے بھی دیئے جاتے رہے، لیکن اب جب کہ سونا چاندی کا رواج بالکل ختم ہو گیااور زندگی کے تمام کاروبار کرنسی نوٹوں ہی سے چلنے لگے،اس لئے اب اسے وثیقۂ محض کی حیثیت دینا مشکل ہو گیا۔

(۱)

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت

اتنی بات تو مسلم ہے کہ نوٹ، سونا چاندی کے مماثل نہیں ہیں، تاہم یہ غور طلب ضرور ہے کہ سونا چاندی کو جو نقدیت اور ثمنیت حاصل ہوئی ہے،اس کا مفہوم اور اس کے بنیادی عناصر کیاہیں ؟

مفہوم اور عناصر

سونا چاندی فی نفسہ کوئی مفید چیز نہیں ہیں، وہ تو پتھر ہیں، نہ انہیں کھایا پیا جا سکتا ہے اور نہ پہنا جا سکتا ہے، لیکن محض کمیابی اور خوبصورتی کی بنا پر ان کی وقعت وعزت دلوں میں پیدا ہوئی، اور پھر وہ ایک ذریعۂ تبادلہ اور پیمانۂ قیمت بن گئے۔ اس لئے غور کرنا چاہیے کہ نقدیت و ثمنیت کا حقیقی مفہوم اور اس کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟ ثمن کی تعریف یہ کی گئی ہے:

الثمن ما يثبت في الذمة بدلا من البياعات من الدراهم والدنانير[27]

ترجمہ: خرید و فروخت میں جو کچھ بطور بدل کے خریدنے والے کے ذمہ آتا ہے، وہ درہم ہو یا دینار، وہی ثمن ہے۔

اس کے بنیادی عناصر کا ذکر جدید ماہرین اقتصادیات نے اپنی تعریفوں میں کیا ہے، انہوں نے نقد کی تعریف یہ کی ہے:

النقد ما يستخدم وسيطا للتبادل ومقياساً للقيم و مخزونا للثروة ومعياراً للمدفوعات الآجلة من

---

[27] - أحكام القرآن ج 3 ص 219 المؤلف : أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (المتوفى : 370هـ)المحقق : عبد السلام محمد علي شاهين الناشر : دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة : الطبعة الأولى، 1415هـ/1994م

الدیون[28]

نقد ہر وہ چیز ہے جو ذریعۂ تبادلہ اور قیمتوں کے لئے پیمانہ ہو، اور حصول ثروت کے لئے اس کا جمع کرنا ممکن ہو اور موخر حقوق و مطالبات کے لئے معیار ہو۔

اس تعریف کی روشنی میں نقد کے چار پہلو روشن ہوتے ہیں۔

(۱) نقد ذریعہ تبادلہ ہوتا ہے، ہر انسان کو زندگی میں مختلف چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ہر چیز ہر ایک کے پاس ہونا ضروری نہیں، اس وقت ایک دوسرے سے تبادلہ کی صورت کیا ہوگی، سامان کو ذریعۂ تبادلہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر آدمی کو ہر سامان کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہر شخص کا ہر سامان پر راضی ہونا ضروری ہے، اس کے لئے خدا تعالی نے اپنے فضل سے سونا چاندی کو ذریعۂ تبادلہ کے طور پر پیدا فرمایا اور ہر انسان کے دل میں ان دونوں کی طلب و اہمیت ایسی ڈال دی کہ ہر آدمی اپنے اندر کے تقاضے سے اس کو لینے پر مجبور ہے، چنانچہ شروع سے لے کر آج تک یہ قابل قدر ہے اور معنوی حیثیت سے اب تک یہی ذریعۂ تبادلہ ہے۔

(۲) نقدیت کا دوسرا عنصر پیمانۂ قیمت ہونا ہے کہ سامانوں کی قیمتوں کا معیار کیا ہو؟ اگر اس کے لئے کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کرے گا، جس سے نزاع کی صورت پیدا ہوگی، مثلاً ایک اونٹ کی

---

28 -الحضارة الاسلامية ج۲، ص۳۲۰، مطبوعہ دار الكتاب العربی بیروت۔

قیمت، سامان اور دیگر اشیاء سے کیا ہو؟، اس وقت انسان قیمتوں کے لئے کسی مقیاس و پیمانہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے، خدا نے اپنے فضل سے سونا چاندی کو پیمانہ و معیار مقرر فرمایا، یعنی اونٹ کی قیمت اب سونا چاندی سے لگے گی نہ کہ کسی اور سامان سے۔

(۳) تیسرا عنصر قابل مخزون ہونا ہے، ہر انسان آئندہ زندگی کے لئے مختلف آرزوؤں کے تحت کچھ مال جمع کرنا چاہتا ہے، تاکہ پوری زندگی آرام کے ساتھ گذار سکے، لیکن موجودہ سامانوں میں سے کوئی اس کے اس رادہ کا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان کے پاس جو سامان آتے ہیں ان کی زندگی بڑی مختصر ہے، چند دنوں کے بعد ہی وہ خراب ہونے لگتے ہیں، اس وقت انسان کے تمول اور بہتر مستقبل کی کیا صورت ہوگی؟ خدا نے اسی مشکل کے حل کے لئے سونا چاندی کو پیدا فرمایا، جو نہ خراب ہوتے ہیں اور نہ عموماً کسی تغیر کا شکار ہوتے ہیں۔

(۴) نقدیت کا چوتھا اور آخری عنصر مؤخر حقوق و مطالبات کے لئے معیار ہونا ہے، یعنی قرض، مہر وغیرہ، دوسرے مؤجل معاملات میں سونا چاندی ہی معیار ہیں، جیسا کہ عرف عام بھی یہی ہے۔

نقد کے اجزائے تعریفی کی تشریح سے اس کے مصداق اور اطلاقات کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نقد کے حقیقی اور اولین مصداق تو سونا چاندی ہیں، اس لئے کہ ان کے اندر نقدیت کے تمام عناصر مکمل طور پر موجود ہیں اور اسی وجہ سے فقہاء نے انہیں

ثمن خلقی قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی دوسری چیز بطور سکہ کے لوگوں میں رائج ہو جائے اور وہ بھی اسی طور پر ذریعہ تبادلہ قرار پا جائے، جس طرح کہ سونا چاندی، تو قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر بھی نقد و ثمن کا اطلاق درست ہو، البتہ یہ فرق ضرور ملحوظ رہے گا کہ سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور یہ ثمن عرفی۔

چنانچہ حنفیہ کا مسلک اور مالکیہ کا مشہور مذہب یہی ہے۔ امام مالکؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر چمڑا کو بھی اس حیثیت سے رواج مل جائے تو وہ بھی ثمن بن جائے گا، جیسا کہ المدونۃ الکبری میں ہے:

ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة [29]۔

یعنی اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعہ خرید و فروخت کا اس قدر رواج پا جائے کہ وہ چمڑا ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر لے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونا چاندی کے ذریعہ اس چمڑے کو ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہو گا۔

---

[29] - **المدونة الكبرى ج 3 ص 5 المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى : 179هـ) المحقق : زكريا عميراتالناشر : دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان**

کرنسی پر ایک نظر

ہمارے زمانے میں جو کرنسی رائج ہے، بلاشبہ اس پر بھی نقد کی مذکورہ تعریف صادق آتی ہے، اس لئے کہ:

☆ عرف اور رواج میں یہ ایک ذریعۂ تبادلہ بن چکا ہے بلکہ اس سے زیادہ آسان اور قابل قبول ذریعۂ تبادلہ فی زمانہ دوسرا نہیں ہے۔

☆ اسی طرح آج یہ پیمانۂ قیمت بھی ہے، اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ سامان یا دیگر اشیاء کی بجائے نوٹ سے لگایا جاتا ہے، جو اس بات کی کھلی علامت ہے کہ ہمارے عرف میں صرف نوٹ ہی مقیاس قیمت ہے۔

☆ نقدیت کے تیسرے جزو مخزونیت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، بینکوں کا تمامتر نظام اسی پر مبنی ہے، بینکوں میں انسان کے روپے محفوظ رہ جاتے ہیں، اور وہ برسوں کے بعد جب اور جہاں سے چاہے انہیں حاصل کر سکتا ہے ـــ۔ روپیہ گو کہ بظاہر ناپائیدار کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور اس سے شاید کسی کو شبہ ہو کہ روپیہ یا اس جیسے اثمان اصطلاحیہ مخزون للثروۃ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن نظر و فکر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کرنسی میں اصل اہمیت اس نمبر کی جو اس پر پڑا ہوتا ہے، وہ یقیناً محفوظ ہے، کرنسی اگر پھٹ بھی جائے اور نمبر محفوظ ہو تو نمبر دکھا کر اسی قیمت کا دوسرا نوٹ بینک سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

رہا قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کا معاملہ تو یہ بھی نوٹ کے غیر محفوظ ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ تو اثمان خلقیہ میں بھی ہوتا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

☆نقدیت کا چوتھا جزہے مؤجل حقوق و مطالبات کے لئے معیار ہونا، یہ چیز بھی پوری طرح کرنسی میں موجود ہے، دنیا کے اکثر مؤخر مطالبات روپے کے ذریعہ ہی طے کئے جاتے ہیں، دین، قرض، مہر وغیرہ تمام معاملات میں کرنسی نوٹ کو ہی معیار مانا جاتا ہے۔

اس جائزے سے ثابت ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ پر ثمن کی تعریف پوری طرح صادق آتی ہے، اور اس کی ثمنیت کے انکار کی ہرگز گنجائش نہیں ہے، اور محض اس بنیاد پر کہ اس نوٹ پر وعدۂ زر کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں، اسے سند اور وثیقۂ محض قرار دینا انصاف کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ابتدائی صورت حال تھی، جب کہ ان نوٹوں کے عوض سونا چاندی کا حاصل کرنا آسان تھا، آج تجربات نے ثابت کردیا ہے کہ سونا چاندی حکومت سے حاصل کرنا صرف مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اس پر مزید عرف عام اور اصطلاح ناس نے نوٹ کی یہ حیثیت لوگوں کے ذہنوں سے بھلادی ہے، اب آپس کے لین دین کے وقت کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا کہ ہم سند اور وثیقہ پیش کر رہے ہیں اور ہمارا جو قرض حکومت پر ہے، اپنا وہ حق اس کے حوالے کر رہے ہیں۔ فی زمانہ یہ

رسمی الفاظ وعدہ اپنی حقیقت کھو چکے ہیں اور خود ارباب حکومت کے یہاں بھی عملاً ان الفاظ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

غرض نوٹ ہمارے زمانے میں یقینی ثمن اور اعلی قسم کا سرمایہ ہے، جب تک کہ حکومت وقت یا عرف عام اس کی ثمنیت کو ختم نہ کر دے، یہ مال کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتا، رد المحتار میں مال کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

المال ما یمیل الیہ الطبع و یمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ[30]

مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو، اور وقت ضرورت کے لئے اس کا محفوظ کرنا ممکن ہو۔

فلوس کے بارے میں علماء کا اختلاف

کرنسی نوٹ کو مال اور ثمن مان لینے کے بعد یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ ثمن ہیں تو ان میں تفاضل و تناقص کے ساتھ بیع کا کیا حکم ہے؟ کیا وہی جو درہم و دینار کا ہے، یا اس سے کچھ مختلف؟۔

اصل میں اس سوال کی بنیاد فلوس کی بیع کے بارے میں علماء کے اختلاف پر ہے ،فلوس کی بیع آپس میں تفاصل و تناقص کے ساتھ ہونے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے

30- رد المحتار ج ۴ ص ۴

،امام شافعیؒ کے نزدیک درہم و دینار کے سوا کوئی چیز ثمن نہیں بن سکتی، اگرچہ وہ عرف میں بطور سکہ و ثمن کے رائج ہو جائے، اسی وجہ سے ان کے نزدیک فلوس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے۔

يقول الامام الشافعی :الذهب و الفضة بائنان من كل شئٍ لايقاس عليهما غير هما لمبا ينتهما ما قيس عليهما۔[31]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سونا چاندی کا معاملہ ہر چیز سے الگ ہے، ان پر کسی دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان تباین کی نسبت ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

اذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربافيها هذا هوالصحيح المنصوص عليه ۔[32]

جب فلوس کو نقود کی طرح رواج مل جائے تو اس میں ربا حرام نہیں ہے، یہی صحیح ہے، جس کی تصریح کی گئی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فلوس وغیرہ رواج و عرف کی بنا پر اگرچہ ثمن بن جاتے ہیں، لیکن ان کو ثمنیت دائمہ حاصل نہیں ہوتی، یعنی اگر متعاقدین

---

31 -المجموع ج۹ص ۳۹۳

32-الکافی ج ۲ص ۵۳، مزید تفصیل رملی کی نہایۃ المحتاج ج۳ص ۴۱۸، اور ابن حجر کی تحفۃ المحتاج ج ۴، ص۲۷۹ میں ہے

ثمنیت کے ابطال پر راضی ہو جائیں تو ثمنیت باطل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک فلوس کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز ہے، ہدایہ میں ہے:

ویجوزبیع الفلس بالفلسین باعیانهاعندابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لایجوز لان الثمنیة ثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلا حهما.... فصار....الدرهم بالدرهمین ولهماان الثمینة فی حقهما باصطلاحهما اذلا ولایةللغیر علیهما فتبطل باصطلاحهما[33]

ترجمہ: اور ایک فلس کی بیع دو فلس سے جائز ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ اس کی ثمنیت عرف عام سے ثابت ہوئی ہے، اس لئے ان دونوں کی باہمی اصطلاح سے وہ باطل نہیں ہو سکتی، پس وہ ایک درہم کی بیع کی طرح ہو گیا دو درہم کے بدلے، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت ان دونوں کی باہمی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ وہ کسی کی ولایت کے تحت نہیں ہے، اور جب انہیں دونوں کی اصطلاح سے ثمنیت کا ثبوت ہوا ہے، تو انہیں دونوں کی اصطلاح سے وہ ساقط بھی ہو جائے گی۔

---

[33]- ہدایہ ج۳، ص ۶۵

مالکیہ کا مسلک اس باب میں یہ ہے کہ علی الاطلاق کسی صورت میں تفاضل جائز نہیں ہے۔

لان مالکاً قال لا یجوز بیع فلس بفلسین ولا تجوز الفلوس بالذهب ولا بالدنا نیرنظرة[34]

امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے عوض ناجائز ہے، اسی طرح سونا چاندی اور درہم و دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں (اس لئے کہ سونا چاندی، درہم و دینار میں حقیقی ثمنیت موجود ہے اور سکوں میں اصطلاحی ثمینت موجود، اور امام مالک کے نزدیک ثمنیت کے ہوتے ہوئے، اگر اجناس مختلف ہوں تب بھی ادھار جائز نہیں ہے)

رہے امام احمدؒ تو اس باب میں ان کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ ایک سکّے کا تبادلہ دو سکوں سے جائز ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک حرمت ربوٰ کی علّت وزن ہے، اور سکے، فلوس وغیرہ چونکہ عددی ہیں اس لئے ربا کی علت موجود نہیں ہے۔۔۔۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فلوس کا اس طرح تبادلہ ناجائز ہے[35]

---

[34]-المدونۃ الکبریٰ ج ۷، ص ۱۰۴

[35]-المغنی الابن قدامہ مع الشرح الکبیر ج۔ ۴ ص۔ ۱۲۱، ج۔ ۴۔ ص۔ ۱۲۹، وفتاوی ابن تیمیہ، ج۔ ۲۹۔ ص۔ ۴۶۰

اختلاف کا حل

یہ وہ اختلاف ہے جس سے ثمن اصطلاحی کی حیثیت کے بارے میں تشویس پیدا ہو سکتی ہے، لیکن ان اختلافات کے بارے میں صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ یہ اختلافات اس وقت کے ہیں جب کہ خرید و فروخت میں اشیاء کا معیار سونا چاندی تھے، دوسری چیزیں مثلاً فلوس وغیرہ جو تبادلے میں استعمال ہوتی تھیں، وہ تابع ثمنیت کا درجہ رکھتی تھیں، اس لئے اس وقت کسی حد تک اس میں اختلاف کی گنجائش تھی اور اس کی بھی گنجائش تھی کہ ثمن اصطلاحی کو ثمن خلقی کی موجودگی میں بعینہٖ وہ حیثیت نہ دی جائے جو ثمن خلقی کی ہے۔ لیکن اب جب کہ ہمارے زمانے میں سونا چاندی کے سکّے نایاب ہو چکے ہیں اور ثمن اصلی یہی کرنسی نوٹ قرار پا چکے ہیں، اب اختلاف کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ میرا خیال ہے کہ اگر وہ ائمہ کرام بھی ابھی موجود ہوتے تو وہ بھی اس تفاضل کے عدم جواز ہی کا فتوی دیتے، اس لئے کہ اگر تفاضل کی ذرا بھی گنجائش دے دی جائے تو ربا کا درواز کھل جائے گا اور اس کو بند کرنے کی پھر کوئی صورت نہ ہو گی۔

رہی گفتگو دلائل کی، تو مالکیہ اور امام محمدؒ کا موقف زیادہ مضبوط معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں عرف کو اساسی حیثیت حاصل ہے، اس کو کسی بھی جگہ نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، پھر جب عرف میں کسی چیز کو ثمنیت حاصل ہو گئی ہے، تو اس کی ثمنیت کے ابطال کے کیا معنی ہیں؟، اور وہ بھی اس وقت کہ عرف عام بن چکا ہو، پوری

دنیا میں اسی کا رواج چل پڑا ہو اور سونے چاندی کے سکےّ غائب ہو چکے ہوں، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس صورت میں تفاضل کو جائز قرار دیا ہے جب متعاقدین ثمنیت کے ابطال پر راضی ہو جائیں، لیکن یہ فہم سے بالاتر ہے کہ جو ثمنیت عرف عام اور اصطلاح ناس سے ثابت ہو، اس کو دو آدمی مل کر آخر کیسے توڑ سکتے ہیں، اور اس عموم کلی سے یہ دو آدمی کیوں کر مستثنیٰ ہو سکتے ہیں؟ آخر سونے چاندی کی ثمنیت بھی تو عرف ہی سے ثابت ہے، اس کی خلقی ثمنیت کے لئے بھی تو کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے۔۔۔ اس کے علاوہ غور طلب بات یہ بھی ہے کہ فلوس، سکے اور نوٹوں کی بیع میں ثمنیت کے سوا دوسرا آخر کیا مقصد ہو سکتا ہے اور کون ہو گا جس کا مقصد سکّوں کی خرید سے بجائے ثمنیت کے گلٹ، تانبا اور کاغذ ہو، اس لئے ان دونوں کا باہم ثمنیت کے ابطال کی کوشش کرنا ایک حیلہ تو ہو سکتا ہے، حقیقت نہیں۔

اس پوری بحث سے نوٹ کی شرعی حیثیت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے اور اس کی حیثیت کی تعیین کے بعد بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں، البتہ یہاں ایک مسئلہ یہ تنقیح طلب ہے کہ نوٹ کو ثمن ماننے کے بعد کیا تمام احکام میں یہ سونا چاندی کے برابر ہو جاتے ہیں، یا ثمن خلقی اور ثمن عرفی کے درمیان کچھ فرق باقی رہتا ہے؟

(۲)

کرنسی نوٹ اور دراہم ودنانیر کے احکام میں فرق

کرنسی نوٹ اگرچہ ہمارے زمانے میں اسی طرح کا ثمن رائج بن چکا ہے، جس طرح کہ پہلے زمانے میں درہم و دینار تھے، لیکن اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے بالکل مماثل نہیں ہیں۔

(۱) سب سے بڑا فرق تو یہی ہے کہ نوٹ کو ثمنیت عرف عام کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر عرف تبدیل ہو جائے، یا حکومت اس کو غیر معتبر قرار دے تو یہ کاغذ کا بے قیمت پرزہ رہ جائے گا۔ اس کی ساری ثمنیت ختم ہو جائے گی، اس کے برخلاف درہم و دینار کی ثمنیت خلقی ہے، اس کی ثمنیت عرف عام کے تابع نہیں ہے۔ اگر عرف عام میں اس کا رواج موقوف ہو جائے یا حکومت اس کا اعتبار ختم کر دے، تو بھی ان کی ذاتی ثمنیت ختم نہیں ہو سکتی، کم از کم ان کی ذاتی قیمت ضرور رہ جائے گی، جس طرح کہ دوسرے سامانوں کی ایک خاص قیمت ہے اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے، اسی طرح سونا چاندی بھی زینت و جمال کے لئے استعمال ہوتے ہیں، لیکن نوٹ کے بے قیمت پرزے ثمنیت کے باطل ہو جانے کے بعد کس کام کے رہ جائیں گے؟

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ درہم و دینار میں ثمنیت کے ساتھ وزنیت (وزن) بھی معتبر

ہے، دونوں میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑا نہیں جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ ربٰو کے باب میں درہم و دینار کی بیع تفاضل کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب جس طرح یہ ہے کہ ایک درہم یا دینار کی بیع دو درہم یا دینار سے جائز نہیں ہے، وہیں یہ بھی ہے کہ ایک زیادہ وزنی درہم یا دینار کو ہلکے وزن کے درہم و دینار کے بدلے بیع کرنا جائز نہیں ہے، دونوں صورتیں ربوٰ میں داخل ہیں۔

حدیث میں اشیاء ستہ میں جو سونا چاندی کا ذکر کیا گیا تو وہاں "وزنا بوزن" کی تصریح کی گئی کہ سونا چاندی کی بیع میں وزن کے اعتبار سے مساوات ضروری ہے، ورنہ ربو کا تحقق ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

> ارایت الذهب و الفضة مضر و بين دنانير اودراهم ---لا يحل الفضل فى واحدٍ منهما على صاحبہ لاذهب بدنانيرولا فضةبدارهم الا مثلا بمثل و زنا بوزن و ما ضرب منهما و ما لم يضرب سواء لايختلف---- الربافى مضروبة وغيرمضروبة سواء[36]
>
> مہر کردہ سونا چاندی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے دینار ہوں یا درہم؟۔۔۔۔ (جواب) ان میں سے کسی میں بھی ایک دوسرے پر زیادتی جائز نہیں، نہ سونے کی بیع میں دینار کے بدلے اور نہ چاند

---

[36]۔ کتاب الام ج۳ ص ۹۸

کی بیع میں درہم کے بدلے، صرف برابر سرابر بیع جائز ہے اور یہ
برابری وزن کے اعتبار سے ہوگی مہر کردہ سونا چاندی اور غیر مہر کردہ
یعنی سکہ اور غیر سکہ دونوں ربوٰ کے باب میں برابر ہیں، دونوں
میں ربوا کا تحقق زیادتی کی صورت میں ہوگا۔

اس عبارت میں امام شافعیؒ نے وزن کا خاص اعتبار کیا ہے اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں کیا کہ غیر مضروب ہونے کی صورت میں وزینت معتبر رہتی ہے، اور سکّہ ہونے کی صورت میں وزن کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

فاذا باع ديناراً بدنيارٍ كذلک وافترقافوجد احد هما ما قبضہ ناقصاً بطل الصرف لانہما تبا عيا ذهباً بذهبٍ متفاضلاً[37]

جب دینار کی بیع دینار سے کی گئی اور متعاقدین ایک دوسرے سے جدا
ہو گئے، پھر کسی نے اپنے مقبوضہ دینار کو کم پایا، تو بیع صرف باطل
ہوگئی، اس لئے کہ ان دونوں نے سونے کی بیع سونے سے تفاضل کے
ساتھ کی (جو ربوٰ ہے)

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

37- المغنی ج ۴ ص ۵۰

فاذااستقرض مائۃ دینار من نوعٍ فلا بدان یوفی بدلہا مائۃ من نوعہاالموافق لہا فی الوزن اویو فی بدلہا و زناً لا عدداً۔[38]

جب ایک آدمی نے ایک قسم کے سو (۱۰۰) دینار قرض لئے تو ضروری ہے کہ اس کے بدلے میں اسی قسم کے دینار واپس کرے ،جو وزن میں اس کے برابر ہوں، یا قرض کا ایفا وزن سے کرے نہ کہ عدد سے۔

ان عبارات سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ سونا چاندی میں ثمنیت کے ساتھ وزن کا خاص خیال رکھا گیا ہے، جب کہ نوٹ میں وزن کے لحاظ کے علاوہ کوئی معنی نہیں ہے، اس لئے اس میں صرف ثمنیت اور قیمت میں مساوات ضروری ہے، گو کہ گنتی یا وزن کے اعتبار سے مساوات موجود نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی ایک سو کے نوٹ کے بدلے سو کی تعداد میں ایک ایک کے نوٹ حوالے کرے، جو بلاشبہ عدد اور وزن دونوں اعتبار سے سو کے نوٹ سے زیادہ ہیں، تو اسے ربوٰ نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ یہاں صرف ثمنیت اور قیمت میں مساوات ضروری ہے نہ کہ وزن وعدد میں۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ سونا چاندی کی زکوۃ کا نصاب شریعت نے خود مقرر کیا ہے، اس لئے کہ اس کا نصاب ذاتی ہے، اس کے برخلاف نوٹ فی نفسہٖ کوئی قیمت نہیں رکھتے،

---

38 -ابن عابدین، ج۵ ص۱۷۷

ان کے اندر ثمنیت اصطلاح وعرف سے پیدا ہوئی ہے،اس لئے سونا، چاندی کے نصاب کے بقدر اگر اس کی قیمت پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، غرض نوٹ کی نصابیت سونا چاندی کی نصابیت کے تابع ہے۔

(۴)ایک فرق یہ بھی ہے کہ نوٹ کی قیمت اور جنس ممالک کے اختلاف سے مختلف ہوجاتی ہے، امریکہ کاڈالر، عرب کاریال اور ہندوستان کا روپیہ سب نوٹ ہی ہیں، لیکن ہر ملک کے اقتصادی حالات کے مطابق ہر ملک کی کرنسی کی قیمت یکساں نہیں ہے،اس لئے یہ سب مختلف الاجناس کے حکم میں ہے،اور جب جنس کا اختلاف ہو جائے تو ربا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی شخص ایک امریکی ڈالر کو ہندوستانی ۵۰ روپے کے عوض فروخت کرے تو اس کی گنجائش ہے اور اسے ربوٰ نہیں کہہ سکتے،اس کے بر خلاف درہم و دینار کی قیمت وجنس دنیا کے ہر گوشے میں یکساں رہتی ہے، ممالک کے اختلاف سے نہ ان کی قیمت میں فرق آتا ہے اور نہ ان کی جنس تبدیل ہوتی ہے۔ اسی لئے اگر کوئی ہندوستانی آدمی امریکہ کے کسی باشندے سے ایک درہم یا دینار کی بیع دو درہم یا دو دینار کے عوض یا وزن کے اعتبار سے کمی بیشی کے ساتھ کرے، تو یہ ناجائز ہے اور ربوٰ میں داخل ہے۔

(۵) کرنسی نوٹ پر اگر حکومت کی جانب سے وعدۂ زر کی عبارت نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، جب کہ درہم و دینار کسی حکومت کی کسی عبارت کے محتاج نہیں ہیں۔

(٦)سونا چاندی، اور گیہوں جو وغیرہ کے بارے میں فقہاء متفقہ طور پر اس کے قائل

ہیں کہ اس میں مثلیت کا ہر حال میں اعتبار کیا جائے گا، اسی لئے ایک کلو گیہوں کی بیع دو کلو گیہوں سے کسی صورت میں جائز نہیں ہے، خواہ متعاقدین متفق الدار ہوں، یا مختلف الدار، اسی طرح سونا چاندی کا معاملہ ہے۔ اس کے بر خلاف فلوس اور وہ سکے جن میں کھوٹ ہو، ان کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ ان کی قیمتوں کی گرانی وارزانی کے وقت قیمت ملحوظ ہوگی، یا اسی طرح کا سکہ ادا کرنا کافی ہوگا؟ بعض لوگوں نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے مثلیت کی بنا پر مطلقاً اسی طرح کا سکہ ادا کر دینے کو کافی قرار دیا ہے ۔۔۔ فلوس اور کھوٹے سکّوں کا اختلاف نوٹ کی جانب متعدی ہو سکتا ہے یا نہیں، اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت ضرور متعدی ہو سکتا تھا، جب کہ کرنسی نوٹوں کے ساتھ درہم و دینار کا بھی رواج ہوتا، جیسا کہ فلوس اور کھوٹے سکّوں کے کے وقت تھا، لیکن اب جب کہ سونا چاندی اور درہم و دینار کا رواج کلیۃً ختم ہو گیا ہے، اس وقت اس اختلاف کے متعدی ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، یہاں فرق اس معنی میں ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سونا چاندی کی مثلیت بدیہی ہے، جس پر علماء وفقہاء نے اتفاق کیا ہے، اس کے بر خلاف نوٹ کی مثلیت نظری ہے، جس کے لئے دلائل کی ضرورت ہے، اور اس کے نظری ہونے کی وجہ سے ہی بہت سے علماء کو اس باب میں تذبذب واقع ہوا ہے۔

کرنسی نوٹ اور سونے چاندی کے سکّوں کے درمیان احکام کا یہ وہ اختلاف ہے جو

دلائل کی روشنی میں بالکل ظاہر ہے۔

(۳)

کرنسی نوٹ کا نصاب زکوۃ

نوٹ کو ثمن عرفی ماننے اور مال کا اطلاق اس پر صحیح قرار دینے کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس کا نصاب زکوۃ کیا ہے؟ یعنی سونا چاندی میں سے کس کو معیار قرار دیا جائے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سونا چاندی میں سے جو انفع للفقراء ہو، اس کا عتبار کیا جائے گا، جیسا کہ سامان تجارت کی زکوۃ کے بارے میں حکم ہے۔

الزكوٰة واجبۃ فی عروض التجارة کا ئنۃما کانت اذا بلغت قیمتھانصاباً من الورق او الذھب یقومھا بما ھوانفع للفقراء و المساکین منھما[39]۔

سامان تجارت میں زکوۃ واجب ہے، خواہ وہ کسی قسم کا ہو جب کہ اس کی قیمت سونا یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، ان دونوں (سونا اور چاندی) میں جو نصاب فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو، اس کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

---

[39]- قدروی ص ۴۸

موجودہ وقت میں معروف ریٹ کے مطابق چاندی کی بہ نسبت سونا بہت گراں ہے، اس لئے کرنسی نوٹ کی زکوۃ میں سونا کے بجائے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ اس وقت یہی انفع للفقراء ہے، فقہ کا اصول ہے:

اذا جمتمع امران من جنبسٍ واحدٍ و لم یختلف مقصود هما دخل احدهما فی الآخر غالبا۔[40]

کہ جب دو چیزیں ایک جنس کی جمع ہو جائیں اور ان دونوں کا مقصود مختلف نہ ہو تو ایک دوسرے میں عام طور پر داخل ہو جاتے ہیں۔

جب سونا چاندی کی متبادل کرنسیاں جاری کی گئیں اور جنس ثمنیت ایک ہے اور ذریعۂ تبادلہ ہونے کا مقصد بھی دونوں میں مشترک ہے، اس لئے دونوں ایک دوسرے کے حکم میں داخل ہوں گے اور سونا چاندی میں جو نصاب بھی انفع الفقراء ہو گا، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ صرف نوٹ کی ادائیگی سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ وثیقہ سے زیادہ ثمن کی حیثیت رکھتا ہے۔

---

[40]- الاشباہ ص ۱۵۳ بحوالہ قواعد الفقہ ص ۵۴

(۴)

نوٹ سے دیون کی ادائیگی

نوٹ کے باب میں دیون کی ادائیگی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، نوٹ کو ثمن عرفی ماننے کے بعد بھی دیون (مؤخر مطالبات مثلاً، قرض، مہر، پنشن، اور ادھار خریداری کی رقم وغیرہ) کی ادائیگی میں جو شق بھی اختیار کی جائے، کشمکش سے خالی نہیں ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہمیں چند اصولوں کو سمجھ لینا پڑے گا۔

(۱) فقہ کا اہم ترین اصول ہے:

الضرر الاشد یزال بالضرر الاخف[41]

بڑا نقصان چھوٹے نقصان کو گوارا کر کے دور کیا جائے گا۔

یعنی اگر معاملہ کے دو رخوں میں سے ہر رخ میں ضرر کا پہلو ہو تو بڑے ضرر سے بچنے کے لئے چھوٹے ضرر کو برداشت کیا جائے گا، اس کی بہت سی مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں۔

(۲) اسلام کے مزاج میں سادگی ہے، باریک تشقیقات اور خواہ مخواہ کی موشگافیاں اسلام کو پسند نہیں ہیں، خصوصاً اس وقت جب کہ عوام الناس کے پریشان

41- الاشباہ ص ۱۱۱ بحوالہ قواعد الفقہ ص ۸۸

ہونے کا مسئلہ اور کاروبار کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو، حضور علیہ السلام کا یہ مشہور فرمان حدیث کی کتابوں میں موجود ہے:

نحن امۃ امیۃ لا نکتب و لا نحسب الحدیث [42]

کہ ہم امی جماعت ہیں، حساب وکتاب کے درپے نہیں ہوتے۔

اس حساب و کتاب کا مطلب وہی ہے کہ باریک حسابات اور فنی تشقیقات جو عوام کی دسترس سے باہر ہوں، وہ اسلام کو پسند نہیں، اسی لئے اسلام ہمیشہ ایسے اصول اختیار کرتا ہے، جن میں پر معنی سادگی ہو، اور عوام وخواص سب کے لئے یکساں دلچسپی کے حامل ہوں۔

قیمتوں کی کمی بیشی کا مفہوم اور معیار

(۳) قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے کا مطلب کیا ہے؟، اور اس کے لئے کیا معیار ہے؟ قیمتوں کی کمی بیشی اضافی چیز ہے یا حقیقی؟،ان سوالات کے حل پر بہت سی مشکلات موقوف ہیں۔

مثال کے طور پر ایک گھڑی کی قیمت آج سے پانچ (۵)سال قبل تین سو (۳۰۰) روپے تھی، جب کہ آج چھ سو (٦۰۰) روپے ہے،تو کیا کہا جائے گا، گھڑی کی قیمت بڑھ گئی؟ یا روپیہ کی قیمت گھٹ گئی، یا دونوں جانب تبدیلی آئی ہے؟۔۔۔یہ فیصلہ

42-بخاری شریف ج۱ص۲۵٦☆ابوداؤد ج۱ص۳۱۷

کرنا بہت مشکل ہے، عام محاورات میں دونوں طرح کی بات کہی جاتی ہے، کوئی کہتا ہے کہ گھڑی مہنگی ہوگئی اور کوئی کہتا ہے، روپیے کی قدر گھٹ گئی، لیکن یہ تو محاورات کی بات ہے ، صحیح بات یہ ہے کہ روپیہ تو ثمن ہے، اس کی قیمت کیا گھٹے گی یا بڑھے گی؟ وہ تو اپنے حال پر ہے، البتہ اس کے مقابلے میں جو سامان خریدا گیا ہے وہ گراں ہوگیا ہے، گرانی کی کئی وجہ ہوسکتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بازار میں سامان کم ہوتا ہے اور طلب کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں، جس سے قدرتی طور پر اس کی حیثیت بڑھ جاتی ہے، اور وہ گراں ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ملک کی کسی اقتصادی خرابی کی بنا پر حکومت کاروباری لوگوں اور اہل تجارت پر زیادہ ٹیکس لگا دیتی ہے، جس کا براہ راست اثر سامانوں کی قیمتوں پر پڑتا ہے اور سامانوں کی قیمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے، غرض گرانی و ارزانی کا تعلق روپیے سے نہیں بلکہ سامانوں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ملک میں کسی خاص چیز کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور پھر بھی اس کی گرانی کم نہیں ہوتی، تو لوگ عام طور پر بولتے ہیں کہ امسال اتنی پیداوار ہوئی، پھر بھی مہنگائی کم نہیں ہوئی، اس قسم کے اظہارات سے بھی عرف کے اندرونی احساسات کا پتہ چلتا ہے کہ عام لوگوں کے نزدیک بھی سامان ہی سے قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے، نہ کہ روپیہ سے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ جب سامان کی گرانی میں اضافہ ہوگا تو اس کے مقابلے میں روپیہ زیادہ دینا پڑے گا۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ روپیہ کی حیثیت اب گر گئی، حالانکہ روپیہ کی حیثیت کیا گری؟ سامان

کی حیثیت بڑھ گئی۔۔۔ تو گویا قیمت کا بڑھنا گھٹنا، اضافی چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک چیز ایک شخص کی نظر میں بہت قیمتی اور باوقعت ہوتی ہے، اور وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اس کو بیچنے پر آمادہ نہیں ہوتا، لیکن دوسرے کی نگاہ میں اس کی کوئی خاص قدر نہیں ہوتی ، غرض یہ کمی بیشی کوئی حقیقی چیز نہیں ہے، بلکہ اضافی ہے، اضافی ہم محاوراتی روشنی میں کہہ رہے ہیں، ورنہ حقیقت میں گرانی و ارزانی کا تعلق سامان سے ہے نہ کہ روپے سے، جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔

بعض روایات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ثمن کی گرانی وارزانی کی بنیاد اشیاء اور سامان ہی کی طلب ورسد پر ہے، روایت میں آتا ہے کہ:

عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال کانت قیمۃ الدیۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینار او ثمانیۃالاف درھم فکان ذالک کذالک حتی استخلف عمرفقام خطیباً:الاان الابل قد غلت قال ففرضھا عمر علی اھل الذہب الف دیناروعلی اھل الورق اثنی عشر الف دراھم[43]

دیت کی قیمت عہد نبوی میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، یہ مقدار اسی طرح باقی رہی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اب اونٹ گراں ہو گئے

---

[43]- ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۶۲۵

ہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سونا والوں پر ایک ہزار دینار اور
چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کی قیمت عہد نبوی ہی میں بارہ ہزار درہم تک پہنچ گئی تھی اور آپ نے بارہ ہزار درہم دیت کے لئے مقرر فرمادیئے تھے:

روی ابوداؤد النسائی والترمذی بسندھم ، ان رجلاً من بنی عدی قتل فجعل النبی علیہ السلام دیتہ اثنی عشر الفا،کما روی الدارمی ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض علی اھل الذھب الف دینار[44]

ترجمہ: قبیلہ عدی کا ایک آدمی قتل کر دیا گیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی اور سونا والوں پر ایک ہزار دینار مقرر فرمائی۔

یہاں کیا کہا جائے گا؟ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی تھی؟، یا درہم و دینار کی قیمت گھٹ گئی تھی؟ اگر اونٹ اپنے حال پر تھے اور درہم و دینار کی قیمت گھٹ گئی تھی تو اس صورت میں کیا مسئلہ ہوگا؟، جب کہ ایک آدمی نے آٹھ ہزار درہم اس وقت قرض لئے تھے، جب کہ اتنے میں سو اونٹ خریدے جاسکتے تھے اور واپس اس وقت کر رہا ہے، جب کہ سو اونٹ کی قیمت بارہ ہزار ہو چکی ہے۔ تو کیا قرض کی ادائیگی میں قیمت کا اعتبار کر کے چار

[44] الہدایہ مع فتح القدیر، ج۔۷، ص۔۱۵۴، و مجموع الفتاوی، ج۔۲۹، ص۔۷۱ ۴، وج۔۲۹، ص۔۴۷۴

ہزار درہم کے اضافہ کے ساتھ قرض کی ادائیگی درست ہو گی؟ اور کیا یہ ربوٰ کے مفہوم میں داخل نہ ہو گا؟، اس صورت میں تمام علماء بالاتفاق کہتے ہیں کہ ایک درہم کی زیادتی بھی رباکا موجب ہو گی، حالانکہ اشیاء میں گرانی یادرہم و دینار میں ارزانی موجود ہے، معلوم ہوا کہ ثمن کی قیمت میں کمی بیشی نہیں ہوتی، بلکہ اشیاء کی گرانی بڑھ جاتی ہے، اسی لئے جس مقدار ثمن پر پہلے وہ چیز مل جایا کرتی تھی، اس مقدار سے بڑھا کر ادا کرنے پر اب وہ چیز مل سکتی ہے۔

اس لئے یہ خیال شرعی، عقلی اور عرفی ہر نقطۂ نگاہ سے سراسر غلط ہے کہ ثمن (خواہ خلقی ہو یا عرفی) کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

(۴) یہیں پر ایک یہ اصول بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ سکہ اور کرنسی کی قیمت میں کمی بیشی کا اختیار اگر کسی کو ہو سکتا ہے، تو وہ سب سے پہلے حکومت وقت کو ہو سکتا ہے اور سب سے پہلے حکومت ہی اس کمی بیشی کا احساس بھی کر سکتی ہے، اگر حکومت کی جانب سے کوئی ایسا اقدام نہیں ہوتا جس سے معلوم ہو کہ قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے، تو پھر بغیر قرینہ کے کمی بیشی کا دعوی کیسے کیا جا سکتا ہے؟

نوٹ کے بارے میں کبھی حکومت نے ایسا رویہ اختیار نہیں کیا، جس سے معلوم ہو کہ نوٹ کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی ہے، بلکہ اس اس کے سلوک سے تو یہ جھلکتا ہے کہ نوٹ کی قیمت یکساں رہتی ہے، مثلاً آپ سرکاری یا غیر سرکاری کسی بینک میں روپیہ جمع کر

دیں اور دس سال کے بعد وہ رقم نکالیں، تو بینک اتنی ہی رقم واپس کرے گا، جتنی اس نے جمع کی تھی، اور زائد رقم جو وہ دیتا ہے وہ اصل مال کہہ کر نہیں بلکہ سود کہہ کر دیتا ہے، جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حکومت کے نزدیک نوٹ کی قیمت یکساں رہتی ہے، خواہ اشیاء کی قیمتوں میں کتنا ہی اضافہ ہو جائے، مگر حکومت کے نقطۂ نظر سے نوٹ کی قیمت جوں کی توں رہتی ہے۔

(۵) آخر میں یہ اصول بھی سامنے رہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قرض کا جواز صرف مثلی چیزوں میں ہے، یعنی ایسی چیزوں میں جن کے اجزاء یکساں یا متقارب ہوں، مثلاً گیہوں، جو، وغیرہ۔ ذوات القیم میں قرض کا جواز نہیں ہے، یعنی ایسی چیزوں میں جن کے اجزاء کے درمیان تفاوت ظاہر ہو، مثلاً جانور وغیرہ کہ ان کے درمیان تفاوت ہے، ان میں قرض کا معاملہ کرنا یہ کہہ کر کہ ہم بھی جانور واپس کریں گے، ناجائز ہے۔

ان اصول خمسہ کی روشنی میں نوٹ سے دیون کی ادائیگی کے مسئلے کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، نوٹ ثمن عرفی ہے، ان کو عملاً ثمنیت میں وہی پوزیشن حاصل ہے جو کسی زمانے میں سونے چاندی کی کرنسیوں کی تھی، اس لئے اگر نوٹوں سے قرض کا معاملہ کیا جائے تو جتنی مدت کے بعد بھی اس کی ادائیگی ہو گی، بعینہ اسی مقدار کے نوٹ واپس کرنے ضروری ہیں، ایک روپیہ کا اضافہ بھی جائز نہیں ہو گا۔ خواہ قیمتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہو جائے، ورنہ یہ سود ہو گا۔ مثلاً کسی نے اگر دس سال قبل سو روپے قرض

لئے تھے، اور قرض کی ادائیگی آج کر رہا ہے، تو سو روپے واپس کرے گا، ایک روپیہ بھی زیادہ دینا یالینا سود قرار پائے گا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ سو روپے میں دس سال قبل جتنی چیزیں خریدی جاسکتی تھیں وہ آج پانچ سو میں بھی بمشکل مل سکتی ہیں، لیکن اس کے باوجود کمی بیشی کے ساتھ ادائیگی جائز نہیں ہے۔ اس باب میں عہد نبوی کا واقعہ بہترین نظیر ہے کہ عہد نبوی میں اونٹ کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوئی تھی، لیکن پھر بھی ایک درہم کی بیع دو درہم سے ناجائز تھی۔

اس صورت میں اگرچہ قرض دینے والے کا بڑا نقصان ہو گا، لیکن اس نقصان کو اس بڑے نقصان سے بچنے کے لئے برداشت کیا جائے گا، جو اس چھوٹے نقصان کو برداشت نہ کرنے سے آسکتا ہے۔ اس لئے کہ اولاً اس کا یہ نقصان اس صورت میں بھی ہو سکتا تھا، جب کہ وہ نوٹوں کے بجائے درہم و دینار کے ذریعہ قرض کا معاملہ کرتا، اس وقت بھی اشیاء کی گرانی بڑھ سکتی تھی، بلکہ یقیناً بڑھتی، اس میں درہم و دینار اور نوٹ کا دخل نہیں ہے بلکہ اقتصادی حالات اشیاء کی قیمتوں کو بڑھا دیتے ہیں۔

ثانیاً اگر ہم اس ایک قرض دینے والے کے نقصان کی تلافی کرنے لگ جائیں تو اس سے بڑھ کر مشکلات اور خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا، مثلاً اس سے ربا کا دروازہ کھل جائے گا اور ہر آدمی اپنا من مانی معاوضہ مقرر کر کے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرنے کی کوشش کرے گا، جس سے مقروض اور غریب لوگوں کا سخت نقصان ہو گا، جب

کہ مقروض اور غریب لوگوں کی دنیا میں اکثریت ہے۔ اور اگر اس کے لئے کوئی معیار مقرر کر دیں اور قرض دیتے وقت ہی دونوں معاملہ کرنے والوں کو مجبور کریں کہ سونا چاندی کی قیمت معلوم کر کے دستاویزی شکل میں اپنے قرض کی رقم کی قیمت وہ محفوظ رکھیں، تو اس سے اور بھی بڑی پریشانیاں سامنے آئیں گی، جو تصور سے باہر ہیں، پھر قیمتوں میں کمی بیشی کے اصول و معیار کیا ہونگے؟ اس سے خواص ہی واقف ہو سکتے ہیں نہ کہ عوام، جب کہ دین اسلام سب کے لئے ہے، قرآن کریم کا اعلان ہے کہ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج "کہ اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی پیدا نہیں کی ہے، حالانکہ اس سے تنگیوں اور پریشانیوں کے دروازے کھل جائیں گے اور ایسی ایسی اصولی و فنی تشقیقات کرنی پڑیں گی، جو اسلام کی سادگی، اور اس کی تسہیلات کے منافی ہے۔

اس کے علاوہ ایک غور طلب بات یہ بھی ہے کہ نوٹوں سے قرض کا عام رواج ہے، اگر نوٹ ذوات القیم میں سے ہوتا، یعنی اس میں قیمتوں کا لحاظ ضروری ہوتا تو اس سے قرض کا جواز ہی نہیں ہو سکتا تھا، جب کہ تمام مسلمان، علماء، فقہاء سب بلا پس و پیش نوٹوں سے قرض کا معاملہ کرتے ہیں اور اسی مقدار میں نوٹ واپس کرتے ہیں، اور کوئی نزاع بھی نہیں ہوتا، جو اس بات کی کھلی علامت ہے کہ نوٹ ذوات الامثال میں سے ہے، اس لئے اس کے اندر تمام معاملات میں مثلاً بمثل کا لحاظ کرنا ضروری ہے، جس طرح کہ دراہم

ودنانیر میں ہے۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱-کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے،بلکہ ثمن ہے اوراسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

۲- عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعۂ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سوناچاندی)کی جگہ لے لی ہے،اورباہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتاہے،اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے،لہذاایک ملک کی کرنسی کاتبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ نہ تونقد جائزہے نہ ادھار۔

۳-دوملکوں کی کرنسیاں دواجناس ہیں اس لئے ایک ملک کی کرنسی کاتبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائزہے۔

۴-کرنسی نوٹوں پرزکوٰۃ لازم ہے۔

۵-نوٹوں میں زکوٰۃ کانصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی

ہو گا[45]۔

☆چوتھے سیمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلے میں عوضین پر فوری قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے یا نہیں ؟شریک علماء کے دو رجحانات سامنے آئے: ایک رائے یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہر دو عوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں، ایک عوض پر قبضہ کافی ہے، کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری و اصطلاحی اثمان ہیں۔

علماء کی ایک جماعت اسے خلقی اثمان کی طرح تصور کرتی ہے اس لئے بدلین پر قبضہ کو مجلس عقد میں ضروری قرار دیتی ہے، البتہ یہ حضرات عام طور پر قبضہ کی تعریف کو وسیع کرتے ہوئے ڈرافٹ اور چیک کے حصول کو اصل بدل پر قبضہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو مؤقر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں بہر حال احتیاط برتی جائے، لیکن واقعی حاجت و ضرورت کی صورت

---

45 -جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے (۱-۲۵) ص ۶۵

میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے[46]۔

----

46 -جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ اول ص ۹۰

کاغذی کرنسی کی ثمنی حیثیت

کاغذی کرنسی ایک ثمن اعتباری اور ثمن عرفی ہے، اور ساری دنیا میں بحیثیت ذریعۂ تبادلہ کثرت استعمال کی بناپر اس کو ثمن مان لیا گیا ہے، ورنہ فی الواقع اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، عرف اور اعتبار ساقط ہو جائے تو یہ محض کاغذ کا بے قیمت ٹکڑا ہے، آج عملاً اسی سے سارا کاروبار جاری ہے، لیکن کیا اس تعامل کی بنیاد پر اس کو ثمن حقیقی کا درجہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔۔۔

عصر جدید کا یہ ایک اہم ترین سوال ہے، اس سلسلے میں برصغیر کے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ ثمن حقیقی یعنی سونا اور چاندی کے مثل نہیں ہے، اس لئے کہ سونا اور چاندی میں ثمنیت لوگوں کے اعتبار و عرف کی بناپر بھی ہے اور ان کی ذاتی قیمت کی بناپر بھی، اگر ان کا ذریعۂ تبادلہ ہونے کا عرف ختم بھی ہو جائے، جب بھی ان کی ذاتی ثمنیت باقی رہے گی، کیونکہ زیورات اور آرائش کے لئے قدرتی ذخائر میں اس سے بہتر چیز موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے نقود اور فلوس زمانے کی تبدیلی سے بدلتے رہے، لیکن صدیاں گذر گئیں سونا اور چاندی کی ثمنی اہمیت، اور معیار قیمت ہونے کی حیثیت میں فرق نہیں آیا، آج کے نئے نظام زر میں کرنسیوں کو معیار قیمت اور ذریعۂ تبادلہ مان لیا گیا ہے، اور اس کی پشت پر سونا کی کوئی مقدار موجود نہیں ہے، کچھ دنوں قبل تک دنیا کے تمام ملکوں کی

کرنسیاں ڈالر سے اور ڈالر سونے سے وابستہ ہوا کرتا تھا یعنی امریکہ اس کا پابند عہد تھا کہ وہ ڈالر کے بدلے سونا دے گا، دوسرے ملکوں نے سونا دینے سے انکار کردیا تھا تو امریکہ کے ڈالر کو معیار بنایا گیا اس لئے کہ وہ سونا سے وابستہ تھا، لیکن عملاً امریکہ نے سونا کبھی نہیں دیا اور نہ اس سے کسی ملک نے سونا کا مطالبہ کیا، لیکن جب فرانس نے امریکہ سے سونا کے مطالبہ پر اصرار کیا تو دونوں ملکوں کے تعلقات بھی خراب ہوئے، اور ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے سونا دینے سے انکار بھی کردیا، پھر ایک نئے نظام کا آغاز ہوا جس میں ہر ملک کی مجموعی پیداوار اور قوت خرید کو معیار بنا کر کرنسیوں کی قیمت طے کی گئی[47]۔

سونا دینے سے انکار کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا کی نگاہ میں سونا کی کتنی اہمیت ہے، اور ملکوں کے اقتصادی ڈھانچہ کے تحفظ کے لئے یہ کیسی شاہ کلید ہے، اور ہر ملک اپنے ذخیرہ میں سونا کا کتنا تحفظ چاہتا ہے؟ اس سے سونا کے عالمی اور حقیقی معیار ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ثمنیت صرف عرف واعتبار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس میں اس کی ذاتی معنویت کا بھی دخل ہے۔

کرنسی نوٹ کا مسئلہ فلوس کے مسئلہ پر مبنی ہے

دراصل کرنسی کے بارے اس تصور کی بنیاد فلوس کے مسئلے پر ہے، فلوس عہد

47 - یہ معلومات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیقات پر مبنی ہیں، دیکھئے: اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۹۵ تا ۱۰۴۔

قدیم میں تانبایالوہاسے تیار ہونے والے سکوں کو کہتے تھے،فلوس میں ثمنیت بھی ہے اور عددیت بھی،حنفیہ کے یہاں ربا کی بنیاد قدرو جنس پر ہے،اور قدر کیلی یاوزنی چیز کو کہتے ہیں،معدودات اس دائرے سے خارج ہیں،اس اصول کے مطابق فلوس فی نفسہ عددی بنیادوں پر فروخت ہوتے ہیں،لیکن ذریعۂ تبادلہ اور معیار ثمن ہونے کی بناپر ان میں ثمنیت بھی ہے،ثمنیت تعیین کے منافی ہے،جبکہ عددیت میں تعیین ہوتی ہے،اگر فلوس کی بیع فلوس کے ذریعہ کی جائے،توکیااس میں تفاضل یاادھار کی گنجائش ہے؟یہ مسئلہ قدیم میں فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہاہے:

فلوس کے ذریعہ سوناچاندی کی خریدوفروخت

☆حنفیہ،شافعیہ اور حنابلہ (قول مشہور کے مطابق) کامسلک یہ ہے کہ فلوس میں ربانہیں ہے،اس لئے کہ وہ عدد کے ذریعہ بیچے اور خریدے جاتے ہیں،ان میں قدر (کیل ووزن) موجود نہیں ہے،خواہ وہ کتناہی رائج الوقت ہو،جوہری ثمنیت ان میں مفقود ہے،ان کی ثمنیت محض اعتباری ہے،شافعیہ ان کو عروض میں شمار کرتے ہیں [48] ـــــ اور حنفیہ ان میں کیل ووزن کو مفقود پاتے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ ثمنیت ان میں اصالۃً نہیں ہے،بلکہ عاقدین کے باہمی اتفاق پر مبنی ہے،اور کسی کے باہمی اتفاق سے شے

---

[48] - شرح منتهى الإرادات 2 / 194 ، وكشاف القناع 3 / 252 ، والفروع 4 / 148 ، 150- أسنى المطالب 2 / 22 ، ومغني المحتاج 2 / 25 ، والجمل 3 / 45

کی اصلیت باطل نہیں ہوتی،اس لئے کمی بیشی کے ساتھ ان کی خرید وفروخت جائز ہے[49]،

وعلى ذلك فيجوز بيع الفلوس بعضها ببعض متفاضلا ، كما يجوز بيع بيضة ببيضتين ، وجوزة بجوزتين ، وسكين بسكينين ، ونحو ذلك إذا كان يدا بيد[50]۔

اور اسی تصور کی بنیاد پر ہماری تمام کتب فقہ میں بیع فلوس بالفلوس کو(شیخین کے قول کے مطابق)بیع صرف ماننے سے انکار کیا گیاہے:

☆سئل الحانوتي عن بيع الذهب بالفلوس نسيئة فأجاب بأنه يجوزإذا قبض أحد البدلين لما في البزازية لواشترى مائة فلس بدرهم يكفي التقابض من أحداجانبين قال ومثله ما لو باع فضة أو ذهبا بفلوس كما في البحر عن المحيط[51]۔

☆وان اشترى خاتم فضة او خاتم ذهب فيه فص اوليس فيه فص بكذا فلساً و ليست الفلوس عنده

---

49 - البدائع 5 / 185-

50 - الهداية مع الفتح 6 / 162

51 - **حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 5 ص 180 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8**

فھو جائزتقابضا قبل التفرق اولم یتقابضا لان ھذابیع ولیس بصرف[52]۔

فلوس میں اختلاف فقہاء کی بنیاد

حنفیہ کے یہاں یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں جانب فلوس متعین ہوں ،اگر دونوں میں سے کسی جانب بھی تعیین مفقود ہو تو عدم جواز پر حنفیہ کا اتفاق ہے ،البتہ حضرت امام محمدؒ دونوں جانب تعیین کی صورت میں بھی جواز کے قائل نہیں ہیں ،جبکہ شیخین جائز قرار دیتے ہیں،اور اس کی بنیاد بیع الاثمان بالاثمان کے وجود پر ہے، شیخین کے نزدیک فلوس کی ثمنیت سونا چاندی کی طرح اصلی اور حقیقی نہیں ہے کہ کبھی بھی ساقط نہ ہو بلکہ اعتباری ہے ،جس کو عاقدین باہم ساقط کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں،اور معاملات میں کسی کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے اس لئے تعیین کی صورت میں وہ صرف ایک عددی چیز کے طور پر باقی رہیں گے اور اموال ربویہ کے دائرہ سے خارج ہو جائیں گے۔۔

جبکہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فلوس کی ثمنیت عرف عام اور تداول عام پر مبنی ہے نہ کہ محض اتفاقات باہم یا عرف خاص پر، اس لئے باہمی تعیین سے ان کی ثمنیت باطل نہ ہو گی،کیونکہ نقود واثمان تعیین سے متعین نہیں ہوتے،اس لئے سکۂ رائجہ ہونے کی صورت میں ان کی ذاتی حیثیت (عددیت)مغلوب ہو جائے گی اور ذریعۂ تبادلہ

---

52 -فتاویٰ عالمگیری کتاب الصرف فی بیع الفلوس ،ج 3 ص 209 ،کذا فی المبسوط للسرخسی دارالکتب العلمیۃ بیروت ج 14 ص 25 ۔

ہونے کی بنا پر ان کو معیار ثمن قرار دیا جائے گا،اور ان پر بیع صرف کے احکام جاری ہونگے:

وَقَالَ مُحَمَّدٌ:لَايَجُوزُ لِأَنَّ الْفُلُوسَ الرَّائِجَةَ أَثْمَانٌ وَالثَّمَنُ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ وَلِهَذَا إذَاقَابَلَ الْفُلُوسَ بِخِلَافِ جِنْسِهَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ غَيْرَهَا وَلَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ بِهَلَاكِهَا وَهَذَا ؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِ الْكُلِّ فَلَا تَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَإِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا أَوْ يَحْتَمِلُهُ --وَلَهُمَاأَنَّ الْفُلُوسَ لَيْسَتْ بِأَثْمَانٍ خِلْقَةً وَإِنَّمَا كَانَ ثَمَنًا بِالِاصْطِلَاحِ وَقَدْاصْطَلَحَابِإِبْطَالِ الثَّمَنِيَّةِفَتَبْطُلُ وَإِنْ كَانَتْ ثَمَنًا عِنْدَ غَيْرِهِمَا مِنْ النَّاسِ لِبَقَاءِ اصْطِلَاحِهِمْ عَلَى ثَمَنِيَّتِهَا وَهَذَا؛لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَلَا يَلْزَمُهُمَااصْطِلَاحُهُمْ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ ؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ فَلَا تَبْطُلُ بِالِاصْطِلَاحِ فَإِذَابَطَلَتْ الثَّمَنِيَّةُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا[53]۔

[53] - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيّ ج 4 ص 91 المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ) الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ) الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية

☆ مالکیہ کا نقطۂ نظر بھی حضرت امام محمدؒ کے مطابق ہے، حضرت امام مالکؒ نے مدونہ میں تصریح کی ہے:

لا يجوز فلس بفلسين ولا تجوز الفلوس بالذهب والفضة ولا بالدنانير نظرة[54]۔

اور حنابلہ کی ایک روایت بھی یہی ہے[55]۔

کرنسی کے حق میں امام محمدؒ کا قول قابل ترجیح ہے

☆ آج کی بدلی ہوئی صورت حال میں کاغذی کرنسی کے حق میں امام محمدؒ کا قول زیادہ قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

☆ عہد قدیم میں فلوس مستقل ثمن کی حیثیت سے جاری نہیں تھے، بلکہ سونا چاندی کے تابع ثمن کی حیثیت سے ان کا چلن تھا، درہم و دینار ہی اصل ثمن مانے جاتے تھے، اور فلوس کو ان کی ریزگاری کے طور پر تصور کیا جاتا تھا، جب کہ آج کے دور میں

– بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، **1313** هـ - شرح فتح القدير ج **7** ص **21** كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة **681**هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت

54 - المدونة الكبرى 3 / 395-

55 -المدونة الكبرى 3 / 395 ، 396 ، 163 ، وكشاف القناع 3 / 252 ، والفروع وتصحيحها 4 / 147 ، 151 .

سونا چاندی کے سکوں کا رواج ساری دنیا سے بالکل ختم ہو چکا ہے، اب ان کرنسیوں نے ہی پوری طرح ان کی جگہ سنبھال لی ہے، آج یہ اثمان تابعہ نہیں بلکہ اثمان اصلیہ کی طرح رائج ہیں۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ شیخین کے تصور کی بنیاد یہ ہے کہ ساری دنیا درہم و دینار کو ثمن مانتی ہے جبکہ فلوس اصلاً لوہا اور تانبے کی دھات ہے، جو سکہ بن جانے کے بعد اشیاء عددیہ کی طرح فروخت ہوتے ہیں، اور مخصوص اتفاقات یا مجبوریوں کی بنیاد پر لوگ ان کے ذریعہ معاملات بھی کرتے ہیں، مگر یہ ثمن مسلمہ نہیں ہیں، جس کو توڑا نہ جاسکے اور ان کی اصلیت کی طرف موڑا نہ جاسکے، علاوہ عاقدین کسی کی ولایت میں نہیں ہیں۔

آج روپئے کی صورت حال یہ نہیں ہے، حکومتوں کی جانب سے اس کی حیثیت مسلمہ ثمن کی ہے، اس کی ثمنیت ساقط کرنے کا اختیار صرف حکومت کو ہے، باہم اس کو محض کاغذ فرض کرلینے سے اس کی ثمنیت ساقط نہیں ہوگی، ملک کے تمام شہری حکومت کی ولایت میں ہیں، اس لئے نقود اور روپے پیسے کی ثمنیت کو ختم کرنا عام انسانوں کے لئے ممکن نہیں،۔۔۔۔۔

میرا احساس یہ ہے کہ خود شیخین بھی کرنسی کی موجودہ صورت حال کو ملاحظہ فرماتے تو ان کو فلوس کے بجائے درہم ودینار کا متبادل قرار دیتے،۔۔۔ بلکہ ممکن ہے کہ

امام محمدؒ نے مارکیٹ کی وہ صورت حال دیکھی ہو جو اکابر شیخین کے مشاہدہ میں نہ آسکی ہو۔

موجودہ دور کے روپے کا آغاز گو کہ سونا چاندی کے تابع کی حیثیت سے ہوا تھالیکن آج جب سونا چاندی کے سکے مارکیٹ سے ختم ہوچکے ہیں ان کی حیثیت خود مستقل بن چکی ہے۔۔۔۔زیادہ تر ماہرین معاشیات یہ کہتے ہیں کہ نوٹ کے پیچھے سونا اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بحیثیت ذریعۂ تبادلہ پہلے سے متعارف تھا، لیکن اب جب بغیر سونے کا واسطہ بنائے ہی کرنسی نوٹ کو ثمنیت اور ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے تو اس کو سونا کا بدل ماننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ بذات خود ایک ثمن ہے[56]

☆اور ایک اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر شیخین کا قول اختیار کیا جائے تو ایک ہی ملک کی کرنسیوں کی باہم خرید وفروخت کو کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز کہنا پڑے گا اور ربا کا دروازہ کھل جائے گا، جب کہ تمام دنیا کے علماء نے روپئے پیسے کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی کو ناجائز قرار دیا ہے، الا یہ کہ الگ الگ ملکوں کی کرنسیاں ہوں،۔۔۔۔اور اسی احتیاط کی بنیاد پر عہد قدیم میں فقہاء ماوراء النہر (سمرقند وبخارا) نے عدالی اور غطارفہ میں تفاضل کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا، جب کہ ان میں کھوٹ کا غلبہ ہوتا تھا، اور اس کی بنیاد یہی

56 -اسلام اور جدید معیشت وتجارت، مفتی تقی عثمانی ص ۱۰۴۔

بتائی گئی تھی کہ ہمارے دیار میں ان کی بڑی اہمیت ہے اگر ثمنیت کو مغلوب سمجھ کر تفاضل کو جائز قرار دیاجائے تو ربا کادروازہ کھل جائے گا[57]۔۔۔۔۔۔۔آج کے حالات میں ہمیں اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

روپئے سے سوناچاندی کی خرید وفروخت بیع صرف ہے

اسی بناپر آج اکثر علماء عرب کی رائے یہ ہے کہ کرنسی سونا اور چاندی کی طرح ایک مستقل ثمن ہے،بینکوں اور نوٹ کے چھاپہ خانوں نے اس کے استقلال پر مہرلگادی ہے،اس لئے روپئے کے عوض سوناچاندی کی خرید تبادلۂ ثمن بالثمن ہے،اوراسی کو بیع صرف کہتے ہیں،اس لئے مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ ضروری ہے،ایک بدل پر قبضہ کافی نہیں ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ سوناچاندی کے ثمن خلقی ہونے پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے،یہ ایک بات ہے جو صدیوں سے مشہور چلی آرہی ہے،ورنہ سوناچاندی کی ثمنیت بھی عرف واعتبار ہی پر مبنی ہے،ان کی ذاتی قیمت ملحوظ نہیں ہے،اس تناظر میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول بہت بامعنیٰ ہے کہ:

---

57 - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 6 ص 218 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

"اگر سوناچاندی کے بجائے جانور کی کھال ذریعۂ تبادلہ بن جائے،اور اسی کی کرنسی اور سکہ تیار ہو جائے تو میرے نزدیک سوناچاندی کے بالعوض اس کی بیع پر بھی بیع صرف کے احکام جاری ہونگے اور ادھار کی گنجائش نہ ہو گی":

ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة [58]۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

"درہم ودینار (یعنی موجودہ ثمن) کی کوئی طبعی یاشرعی حقیقت نہیں ہے ،ان کی بنیاد خالص عرف پر ہے،یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں ،بلکہ مقصد کسی معیار تعامل اور ذریعۂ تبادلہ کاوجود ہے،اور یہی ان کے ثمن ہونے کی اساس ہے ،جو چیزیں وسائل کادرجہ رکھتی ہیں ان کی نہ صورت مطلوب ہوتی ہے اورنہ مادہ، مقصد کی تکمیل سے زیادہ کچھ مطلوب نہیں ہوتا،(یعنی اگر یہ مقصد کسی اور چیز سے حاصل ہونے لگے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا):

---

[58] - **المدونة الكبرى ج 3 ص 5 المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى : 179هـ) المحقق : زكريا عميرات الناشر : دار الكتب العلمية بيروت . لبنان**

(وأما الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولا شرعي ،بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح؛ وذلك لأنه في الأصل لا يتعلق المقصود به،بل الغرض أن يكون معيارا لما يتعاملون به ،والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها ، بل هي وسيلة إلى التعامل بها ؛ولهذا كانت أثمانا . . .إلى أن قال:والوسيلة المحضة التي لا يتعلق بها غرض ، لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيفما كانت)[59]-

ہیئۃ کبار العلماء کا فیصلہ

چنانچہ سعودیہ عرب کے موقر علمی ادارہ "ہیئۃ کبار العلماء" نے کرنسی کے مسئلے پر معاصر علماء وفقہاء سے مذاکرات ومناقشات کے بعد اکثریت کی رائے کے مطابق یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ کرنسی خواہ کسی ملک کی ہو وہ عین ثمن کے قائم مقام ہے اور سونا اور چاندی کی ثمنیت کے ہم پلہ ہے ،اور اس کی پشت پر سونا ہونے کی بات محض رسمی ہے،خارجی دنیا میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے،اس لئے موجودہ کرنسی کے ذریعہ سونا اور چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے زمرہ میں داخل ہے،اور مجلس عقد میں تقابض بدلین ضروری ہے:

---

59 -مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية(29 \ 251) .

قرار هيئة كبار العلماء(رقم (10) وتاريخ 17 \ 8 \ 1393هـ)الحمد لله وحده ، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده محمد،وعلى آله وصحبه ، وبعد :فبناء على توصية رئيس إدارات البحوث العلمية والإفتاءوالدعوة والإرشاد ، والأمين العام لهيئة كبار العلماء–بدراسة موضوع الورق النقدي من قبل هيئة كبارالعلماء؛ استنادا إلى المادة السابعة من لائحة سيرالعمل في الهيئة التي تنص على أن ما يجري بحثه في مجلس الهيئة يتم بطلب من ولي الأمر ، أو بتوصية من الهيئة ، أو من أمينها، أو من رئيس إدارات البحوث العلمية و الإفتاء والدعوة و الإرشاد ، أو من اللجنة الدائمة المتفرعة عن الهيئة – فقد جرى إدراج الموضوع في جدول أعمال الهيئة لدورتهاالثالثة المنعقدة فيما بين 1 \ 4 \ 1393 هـ و 17 \ 4 \ 1393هـ،وفي تلك الدورةجرى دراسةالموضوع بعدالاطلاع على البحث المقدم عنه من اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء .وبعد استعراض الأقوال الفقهية التي قيلت في حقيقة الأوراق النقديةمن اعتبارها أسنادا، أو عروضا ، أو فلوسا ، أو بدلا عن ذهب أو فضة، أونقدامستقلا بذاته ،ومايترتب على

تلك الأقوال من أحكام شرعية –جرى تداول الرأي فيها ، و مناقشة ما على كل قول منها من إيرادات.فتنتج عن ذلك عديد من التساؤلات التي تتعلق بالإجراءات المتخذة من قبل الجهات المصدرة لها :

وحيث إن الموضوع من المسائل التي تقضي المادة العاشرة من لائحة سير عمل الهيئة بالاستعانة بالشؤون الاقتصادية والاجتماعية والأنظمة العامة بما في ذلك القضايا البنكية والتجارية والعمالية ، فإن عليها أن تشرك في البحث معهاواحداأوأكثرمن المتخصصين في تلك العلوم – فقد جرى استدعاء سعادة محافظ مؤسسة النقد العربي السعودي الدكتور أنور علي ،وحضر معه الدكتور عمر شابريه أحد المختصين في العلوم الاقتصادية ، ووجهت إلى سعادته الأسئلة التالية:

س1 : هل تعتبر مؤسسة النقد ورق النقد السعودي نقدا قائما بذاته أم تعتبره سندات تتعهد الدولة بدفع قيمتها لحاملها ، كما هو مدون على كل فئة من فئات أوراق النقد السعودي ، وإذا لم يرد معنى هذه العبارة ، فما معنى الالتزام

بتسجيلها على كل ورقة ، وهل يعني ذلك التعهد أن ورق النقد السعودي مغطى بريالات فضية أم لا ؟

س2: هل لكل عملة ورقية غطاء مادي محفوظ في خزائن مصدريها ، وإذا كان كذلك فهل هو غطاء كامل أم غطاء للبعض فقط ، وإذا كان غطاءللبعض فما هو الحد الأعلى للتغطية ، وما هو الحد الأدنى لها؟

س 3:مانوع غطاء العملات الورقية ، وهل توجد عملة لأي دولة مامغطاة بالفضة ، وله هناك جهات إصدار تخلت عن فكرة التغطية المادية مطلقا ؟

س4 :المعروف أن الورقة النقدية لا قيمة لها في ذاتها ، وإنما قيمتها في أمرخارج عنها ، فما هي مقومات هذه القيمة؟

س5 : نرغب شرح نظرية غطاء النقد بصفة عامة ،وماهي مقومات اعتبارالعملة الورقية على الصعيدين الدولي والمحلى؟

س6: هل الغطاء لا يكون إلا بالذهب ، وإذا كان بالذهب وغيره فهل غير الذهب فرع عن الذهب باعتبار أنه قيمة له ، وهل يكفي للغطاء ملاءة ومتانة اقتصادها وقوتها ولو لم يكن لنقدها رصيد؟

س7 : ما يسمى بالدينار ، والجنيه هل هو مغطى بالذهب ، ولذا سمي ديناراأو جنيها رمزا لما غطي به ، ومثله الريال السعودي هل هو مغطى بفضةأم أن هذه التسميات يقصد منها المحافظة على التسميات القديمة للعمل المتداولة فيما مضى بغض النظر عما هي مستندة عليه من ذهب أو فضة ؟

س8: ما السبب في عدم الثقة في النقد المتداول اليوم مما أدى إلى ارتفاع الذهب ارتفاعا لم يسبق له نظير؟

وأجاب سعادته عنها بواسطة المترجم القائد الدكتور أحمد المالك إجابة جرى رصد خلاصتها في محضر الجلسة مع سعادته ، و قد توصلت بهاالأكثرية من الهيئة إلى الاقتناع بما ارتأته فيها من رأي .

ثم بعدإعادةالنظرفي الأقوال الفقهية التي قيلت فيها على ضوء الإيضاحات التي ذكرها سعادة المحافظ – قرر المجلس بالأكثرية ما يلي:

بناء على أن النقد هو كل شيء يجري اعتباره في العادة أو الاصطلاح،بحيث يلقى قبولاعاما كوسيط للتبادل ، كما أشارإلى ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية حيث قال : (وأما

الدرهم والدينار فما يعرف له حد طبعي ولاشرعي ، بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح؛وذلك لأنه في الأصل لا يتعلق المقصود به، بل الغرض أن يكون معيارا لما يتعاملون به ، و الدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها ، بل هي وسيلة إلى التعامل بها ؛ و لهذا كانت أثمانا . . . إلى أن قال:و الوسيلة المحضة التي لايتعلق بهاغرض ، لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيفما كانت) اهـ وذكر نحو ذلك الإمام مالك في [المدونة]،من كتاب الصرف حيث قال:(ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة و عين لكرهتهاأن تباع بالذهب والورق نظرة) اهـ وحيث إن الورق النقدي يلقى قبولا عاما في التداول ، ويحمل خصائص الأثمان من كونه مقياسا للقيم ومستودعا للثروة ، وبه الإبراء العام ،وحيث ظهر من المناقشة مع سعادة المحافظ : أن صفة السندية فيها غير مقصودة ، والواقع يشهد بذلك ويؤكده، كما ظهر أن الغطاء لا يلزم أن يكون شاملالجميع الأوراق النقدية ، بل يجوز في عرف جهات الإصدار أن يكون جزء من عملتها بدون غطاء ، وأن الغطاء لا يلزم أن يكون ذهبا ، بل يجوز أن يكون من

أمورعدة كالذهب والعملات الورقية القوية ، وأن الفضة ليست غطاء كليا أو جزئيا لأي عملة في العالم ، كما اتضح أن مقومات الورقة النقدية قوة وضعفا مستمدة مما تكون عليه حكومتها من حال اقتصادية،فتقوى الورقة بقوة دولتها وتضعف بضعفها،وأن الخامات المحلية؛كالبترول و القطن و الصوف لم تعتبر حتى الآن لدى أي من جهات الإصدارغطاء للعملات الورقية.وحيث إن القول باعتبار مطلق الثمنيةعلة في جريان الربافي النقدين هوالأظهر دليلا ،والأقرب إلى مقاصدالشريعة ، وهو إحدى الروايات عن الأئمة مالك و أبي حنيفة و أحمد،قال أبو بكر : روى ذلك عن أحمد جماعة ، كما هواختيار بعض المحققين من أهل العلم؛ كشيخ الإسلام ابن تيمية وتلميذه ابن القيم وغيرهما.وحيث إن الثمنيةمتحققة بوضوح في الأوراق النقدية ؛لذلك كله فإن هيئة كبارالعلماء تقرر بأكثريتها: أن الورق النقدي يعتبر نقدا قائما بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرها من الأثمان ، وأنه أجناس تتعدد بتعددجهات الإصدار ، بمعنى: أن الورق النقدي السعودي جنس ،وأن الورق النقدي الأمريكي جنس ، وهكذا كل عملة ورقية

جنس مستقل بذاته،وأنه يترتب على ذلك الأحكام الشرعية الآتية:

أولا: جريان الربا بنوعيه فيها ، كما يجري الربا بنوعيه في النقدين الذهب والفضة وفي غيرهما من الأثمان كالفلوس ، وهذا يقتضي ما يلي :

لا يجوز بيع بعضه ببعض أو بغيره من الأجناس النقدية الأخرى من ذهب أو فضة أو غيرهما – نسيئة مطلقا ، فلا يجوز مثلا بيع الدولار الأمريكي بخمسة أريلة سعودية أو أقل أو أكثر نسيئة.

(ب) لا يجوز بيع الجنس الواحد منه بعضه ببعض متفاضلا ، سواء كان ذلك نسيئة أو يدا بيد ، فلا يجوز مثلا بيع عشرة أريلة سعودية ورق بأحد عشرريالا سعوديا ورقا.

ج) يجوز بيع بعضه ببعض من غير جنسه مطلقا ، إذا كان ذلك يدا بيد ،فيجوز بيع الليرة السورية أو اللبنانية بريال سعودي ، ورقا كان أو فضة ،أو أقل من ذلك أو أكثر ، وبيع الدولار الأمريكي بثلاثة أريلة سعودية أو أقل أو أكثر إذا كان ذلك يدا بيد ، و مثل ذلك في الجواز بيع الريال السعودي الفضة بثلاثة أريلة سعودية ورق أو أقل

أو أكثر يدا بيد ؛ لأن ذلك يعتبر بيع جنس بغير جنسه و لا أثر لمجرد الاشتراك في الاسم مع الاختلاف في الحقيقة.

ثانيا: وجوب زكاتها إذا بلغت قيمتها أدنى النصابين من ذهب أو فضة أو كانت تكمل النصاب مع غيرها من الأثمان والعروض المعدة للتجارة إذا كانت مملوكة لأهل وجوبها.

ثالثا: جواز جعلها رأس مال في السلم والشركات.والله أعلم ،وبالله التوفيق،وصلى الله على نبينا محمد ، وآله وصحبه وسلم.هيئة كبارالعلماء....رئيس الدورة الثالثة.

... ... محمد الأمين الشنقيطي[60]-

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ نے بھی اپنے فیصلوں میں کرنسی کو ثمنیت کے معاملے میں سوناچاندی کے مثل قرار دیاہے،اور تمام مسائل میں اس پر سونااور چاندی کے احکام جاری کئے ہیں:

---

60 - أبحاث هيئة كبار العلماء ج1 ص 93 المؤلف : هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية عدد الأجزاء : 7 أجزاء مصدر الكتاب : موقع الرئاسة العامة للبحوث العلمية والإفتاء

فإن مجلس المجمع الفقهي الإسلامي، يقرر أن العملة الورقية نقد قائم بذاته،له حكم النقدين من الذهب والفضة، فتجب الزكاة فيها، ويجري الربا عليها بنوعيه، فضلاً ونسيًا، كما يجرى ذلك في النقدين من الذهب والفضة تمامًا؛باعتبار الثمنية في العملة الورقية قياسا عليهما. وبذلك تأخذ العملة الورقيةأحكام النقود في كل الالتزامات التي تفرضها الشريعة فيها.

ثانياً:يعتبر الورق النقدي نقدًا قائمًا بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرهما من الأثمان، كما يعتبر الورق النقدي أجناسًا مختلفة ، تتعدد بتعددجهات الإصدارفي البلدان المختلفة، بمعنى أن الورق النقدي السعودي جنس . وأن الورق النقدي الأمريكي جنس، وهكذا كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته، وبذلك يجري فيها الربا بنوعيه فضلاً ونسيًا ، كما يجري الربا بنوعيه في النقدين الذهب والفضة وفي غيرها من الأثمان[61].

---

[61] - مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة ج 3 ص 951 المؤلف : تصدر عن منظمة المؤتمر الاسلامي بجدة

ڈرافٹ اور چیک کے ذریعہ ادائیگی

☆البتہ ان حضرات کے یہاں قبضہ کے مفہوم میں تھوڑی وسعت ہے، روپے کے بجائے چیک اور ڈرافٹ کے ذریعہ ادائیگی بھی ان کے نزدیک قبضہ کے مفہوم میں داخل ہے[62]۔

عالم عرب میں کئی شخصیتوں اور اداروں کے نام ملتے ہیں جو اس خیال کے حامل ہیں، مثلاً الدکتور علی السالوس، الدکتور سامی حمود، شیخ ستر الجعید، شیخ عبد اللہ بن سلیمان بن منیع وغیرہ ان کے نزدیک چیک پر قبضہ کرنا بعینہ نقد پر قبضہ کرنے کے مترادف ہے[63]، اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے، اس نقطۂ نظر کی پشت پر درج ذیل دلائل ہیں:

---

62 -اس رائے کا تذکرہ کئی سال قبل اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے فقہی سمینار (منعقدہ حیدرآباد بتاریخ ۲۷-۳۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۹-۱۲ اگست ۱۹۹۱ء) میں علماء کی ایک جماعت کے حوالہ سے کیا گیا تھا، جس سے مراد علماء ہند کی ایک جماعت ہے، نوٹ کے بارے میں بھی اس جماعت کی رائے وہی ہے جو علماء عرب کے حوالے سے اوپر گذری (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۵۳) لیکن آج علماء عرب کی اکثریت اسی کی قائل ہے: (دیکھئے: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی کتاب "اسلام اور جدید معیشت وتجارت ص ۱۰۶ مطبوعہ جون ۲۰۰۹ء دارالاشاعت دیوبند)

63 - انظر المعاملات المصرفية والربوية ، د . نور الدين عتر : ص 38 ، 39 ، النقود والمصارف ، د . عوف الكفراوي : ص 47 ، موقف الشريعة من المصارف الإسلامية المعاصرة . د . عبد السلام العبادي ص 243 ، السالوس : استبدال النقود والعملات : ص 164 وما بعدها۔

☆عہد صحابہ اور عہد فقہاء میں سفتجہ کا ذکر ملتا ہے،جو چیک ہی کی طرح مالی لین دین کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔۔۔۔

☆حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مکہ میں تاجروں سے دراہم لیتے تھے اور ان کو ایک تحریر دے دیتے جس کی بنیاد پر ان کو عراق میں ان کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ سے اتنے ہی دراہم مل جاتے تھے،حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ان کے اس عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں:

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ قَوْمٍ بِمَكَّةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ يَكْتُبُ بِهَا إِلَى مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِالْعِرَاقِ فَيَأْخُذُونَهَامِنْهُ فَسُئِلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ ذَلِكَ فَلَمْ يَرَبِهِ بَأْسًافَقِيلَ لَهُ : إِنْ أَخَذُوا أَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِمْ قَالَ : لاَبَأْسَ إِذَاأَخَذُوا بِوَزْنِ دَرَاهِمِهِمْ.

{ق}وَرُوِىَ فِى ذَلِكَ أَيْضًا عَنْ عَلِيٍّ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنْ صَحَّ ذَلِكَ عَنْهُ و عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُمَافَإِنَّمَاأَرَادَاوَاللَّهُ أَعْلَمُ إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِغَيْرِشَرْطٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ[64]۔

---

[64] - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج 5 ص 352 حديث نمبر :11266 المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير

یعنی تحریر کو قبضہ کا قائم مقام قرار دیا گیا، اس طرح نقود کے نقل وحمل میں جو خطرات ہیں ان سے انسان محفوظ رہتا تھا۔۔۔آج کے دور میں چیک اسی سفتجہ کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور چیک سے وہ تمام مقاصد زیادہ بہتر طور پر پورے ہوتے ہیں جو پہلے سفتجہ سے پورے کئے جاتے تھے۔

☆ان حضرات نے بعض فقہاء کی اس رائے سے بھی استفادہ کیا ہے کہ کسی معتبر اور صاحب حیثیت شخص پر واجبات کو محول کر دینا بھی بمنزلۂ قبضہ ہے ،مثلاً ابن قدامہ لکھتے ہیں:

★الحوالة بمنزلة القبض[65]

★الحوالة كالتسليم[66]

☆علامہ ابن تیمیہؒ اور متعدد مشائخ فقہ نے لکھا ہے کہ قبضہ کی بنیاد عرف پر ہے[67]،اور موجودہ عرف میں ڈرافٹ اور چیک سے ادائیگی کو انتہائی قابل اعتماد ذرائع میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى **1344** هـ عدد الأجزاء : **10** - مصنف عبد الرزاق ج**8** ص **140** باب السفتجة المؤلف : عبد الرزاق بن همام الصنعاني (المتوفى : **211**هـ)

65 -المغنی ج 6 ص 56 -

66 -المغنی ج 5 ص 69- وكذا فی الشرح الكبير (انظر **69/58/5**) .

67 - مجموع الفتاوى **448/29**۔بقیہ حوالے پہلے گذر چکے ہیں۔

☆علاوہ ازیں ماہرین معاشیات کا بھی اتفاق ہے کہ چیک پر قبضہ اصل شے پر قبضہ کے قائم مقام ہے، نقد ادائیگی سے آج یہ کسی طرح کم نہیں ہے، بلکہ کئی لحاظ سے زیادہ قابل ترجیح ہے مثلاً:

☆نقود کے نقل وحمل میں خطرات اور دشواریاں بہت ہیں، چیک میں ایسی کوئی دشواری نہیں ہے۔

☆کرنسی میں جعلی ہونے کا بھی اندیشہ ہے، اور عام استعمال میں پتہ بھی نہیں چلتا، جب کہ چیک میں اس کے بالمقابل زیادہ تحفظ ہے، چیک بھی کبھی بونڈ ہو سکتا ہے، مگر بہت کم، مستقل کاروبار کرنے والے ایسی غفلت نہیں کرتے، ورنہ ان کی ساکھ خراب ہو جائے گی، علاوہ ازیں اس کے خلاف سخت قوانین موجود ہیں۔

☆ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ تقابض کی دو قسمیں ہیں، (۱) تقابض بالید، جس میں ہاتھوں ہاتھ قبضہ کا تبادلہ ہوتا ہے، (۲) دوسری قسم ہے تقابض حسابی، جس میں دفتری کاروائیوں کے ذریعہ قبضہ متحقق ہوتا ہے، یعنی قانونی قبضہ، جس کو آج کے عرف میں طرفین کے لئے اثبات منجز کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، اور قانونی تمام تصرفات بیع وشراء اور ہبہ وغیرہ کا مکمل حق اسے حاصل ہو جاتا ہے، اسی لئے جس طرح چیک کے

اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم نہ رہنا جرم ہے اسی طرح تاریخ ادا کی صراحت نہ کرنا بھی جرم ہے[68]۔

☆اس تصور کی تائید میں ایک استدلال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے باب میں فقہانے لکھا ہے

کہ اگر مال کسی مالدار شخص کے پاس بطور دین ہو اور وہ اس کا اقرار بھی کرتا ہو تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ مال غیر مقبوض پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ،فقہاء نے اس کو مقبوض کے درجے میں رکھا ہے:

علامہ زیلعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولو كان الدين على مقرٍّ تجب – أي الزكاة – لأنه يمكنه الوصول إليه ابتداء أو بواسطة التحصيل[69]

مرداویؒ رقمطراز ہیں:

الحوالة به والإبراء منه كالقبض على الصحيح من المذهب وقيل إن جعل وفاءكالقبض وإلا فلا [70]

---

[68] - تطور الأعمال المصرفية بما يتفق والشريعة الإسلامية ، الطبعة الأولى ، ص 346 ، 350-

[69] - تبيين الحقائق للزيلعى : 1 / 256-

[70] - الانصاف للمرداوي : 3 / 18-

ابوعبید لکھتے ہیں:

وما كان من دين على ثقة فزكه[71]

ابوعبید کہتے ہیں کہ متعدد صحابہ مثلاً حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عثمان غنیؓ ،حضرت جابر بن عبداللہؓ،اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ اور بہت سے تابعین مثلاً حضرت حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، جابر بن زیدؒ، مجاہدؒ، میمون بن مہرانؒ،وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس قرض پر زکوٰۃ واجب ہے جو کسی مالدار اور مقر شخص کے پاس ہو:

عن عمر وعثمان وجابر وابن عمر ثم قول التابعين بعدذلك الحسن وإبراهيم وجابر بن زيد ومجاهدوميمون بن مهران أن يزكيه في كل عام مع ماله الحاضرإذا كان الدين على الأملياءالمأمونين لأن هذاحينئذبمنزلة ما بيده وفي بيته[72]

بینکوں یامالیاتی اداروں کے پاس لوگوں کے جواموال ہوتے ہیں وہ مدیون مقر سے زیادہ محفوظ اور مستحکم ہوتے ہیں،اس لئے اس مسئلے سے استیناس کیاجاسکتا ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ

☆ انہی دلائل ووجوہات کی بناپر رابطہ عالم اسلامی کے مجمع الفقہ الاسلامی نے مکہ معظمہ میں اپنے سیمینار(۱۳تا۲۰/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹تا۲۶فروری ۱۹۸۹ء

---

71 - الأموال لأبي عبيد : 388-

72 - الأموال : 392-

ء) میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ چیک پر قبضہ اصل پر قبضہ کے مترادف ہے، بشرطیکہ اس کے تمام لوازم و شرائط کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو، دیکھئے **مجمع الفقہ الاسلامی** کی قرارداد کی عبارت جو مجلہ **مجمع الفقہ الاسلامی** میں موجود ہے:

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده سيدناونبينامحمد صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلم۔

أمابعد:فإن مجلس المجمع الفقهي الإسلامي لرابطة العالم الإسلامي في دورته الحادية عشرة المنعقدة بمكة المكرمة في الفترة من يوم الأحد 13 رجب 1409ھ الموافق 19 فبراير 1989م إلى يوم الأحد 20 رجب 1409ھ الموافق 26 فبراير 1989 وقد نظر في موضوع صرف النقود في المصارف هل يستغنى فيه عن القبض بالشيك الذي يتسلمه مريد التحويل .

هل يكتفي بالقيد في دفاتر المصرف عن القبض لمن يريد استبدال عملة بعملة أخرى مودعة في المصرف ؟وبعد البحث والدراسة قرر المجلس بالإجماع ما يلي :

أولا : يقوم تسليم الشيك مقام القبض عند توفر شروطه في مسألة صرف النقود بالتحويل في المصارف .

ثانيًا : يعتبر القيد في دفاتر المصرف في حكم القبض لمن يريد استبدال عملة بعملة أخرى سواء كان الصرف بعملة يعطيها الشخص للمصرف أو بعملة مودعة فيه وصلى الله على سيدنامحمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرًاوالحمد لله رب العالمين[73].

فتاویٰ الشبکۃ الاسلامیۃ میں لکھا ہے کہ جمہور فقہاء معاصرین کے نزدیک چیک پر قبضہ اصل قبضہ کے ہم معنیٰ ہے،اسی لئے چیک کو اس کی اصل قیمت سے کم پر فروخت جائز نہیں ہے، یہ رباہے، نقد اور چیک میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے:

وإذا كانت هذه الصكوك مصدقة بحيث صار مثلها مثل الشيكات، فقد ذهب جمهور الفقهاء المعاصرين إلى أن قبض الشيك قبض لمحتواه إذا كان مصدقًا أوفي قوة التصديق وذلك بصدوره ممن تتوفر فيه الثقةوالاطمئنان وسلامةالتعامل التجاري ممن هو أمين على شرفه ومقامه وعلو سمعته، و يعتبر قبضًا لمحتواه في عملية المصارفة إذا

---

[73] - مجلة مجمع الفقه الاسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي بجدة ج 6 ص 534 المؤلف : تصدر عن منظمة المؤتمر الاسلامي بجدة وقد صدرت في 13 عددا ، وكل عدد يتكون من مجموعة من المجلدات ، كما يلي العدد 1 : مجلد واحد . العدد 2 : مجلدان .العدد 5 و 7 و 9 و 12 : كل منها 4 مجلدات بقية الأعداد : كل منها 3 مجلدات ومجموع المجلدات للأعداد الـ13 : أربعون مجلدا ..

كان مصدر الشيك يملك المبلغ المشمول بالشيك، وبهذا صدرت قرارت المجامع الفقهية،ومن ذلك قرار مجلس المجمع الفقهي الإسلامي في دورته الحادية عشرة وجاء فيه: أولا: يقوم تسليم الشيك مقام القبض عند توفر شروطه في مسألة صرف النقود بالتحويل في المصارف . اهـ.وعلى هذا لا يجوز صرف هذه الصكاك بأقل من قيمتها من نفس العملةلأنه ربا،ويجوزصرفها بعملة أخرى من غير جنسها ويكون قبض الصك بمثابة قبض لمحتواه.ولمزيد الفائدة يمكنك مراجعة الفتاوى الآتية أرقامها: 36429 ، 6554770627 108519.والله أعلم.[تَارِيخُ الْفَتْوَى]11 شوال 1429[74]۔

البتہ حنفیہ کے اصول کے مطابق اس میں ایک دشواری یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں بیع صرف میں قبضۂ حکمی کافی نہیں ہے،بلکہ قبضۂ حسی ضروری ہے،چیک یاڈرافٹ کو اگر حوالہ کی روشنی میں سمجھاجائے تو حوالہ قبضۂ حقیقی نہیں قبضۂ حکمی میں داخل ہے۔۔۔

---

74 - فتاوى الشبكة الإسلامية ج 12 ص 1980 فتویٰ نمبر : 113377 المؤلف : لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية تم نسخه من الإنترنت : في 1 ذو الحجة 1430، هـ = 18 نوفمبر ، 2009 م تنبيه : هذا الملف هو أرشيف لجميع الفتاوى العربية بالموقع حتى تاريخ نسخه (وعددها 90751) [وتجد رقم الفتوى في خانة الرقم

دوسری مشکل یہ ہے کہ حوالہ میں محتال علیہ کی رضامندی ضروری ہے، محتال علیہ زیر بحث صورت میں بینک ہے، تو کیا بینک سے اس سلسلے میں رضامندی حاصل کی جاتی ہے؟

مگر ان دونوں شبہات میں کوئی خاص وزن نہیں ہے:

(ا) جہاں تک حوالہ کے قبضۂ حکمی ہونے کی بات ہے، تو بیع صرف میں قبضۂ حسی کی شرط دراصل اس اندیشۂ غرر سے بچنے کے لئے ہے جو قبضۂ حکمی کی بعض صورتوں میں پیش آنے کا امکان ہے، چیک یا ڈرافٹ کی صورت عام حالات میں اس اندیشہ سے محفوظ ہے، آج کے دور میں یہ ادائیگی کے انتہائی قابل اعتماد ذرائع میں شمار کئے جاتے ہیں۔۔۔ اس کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ عصر حاضر کے علماء نے شیرز کی خرید و فروخت کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ شیرز جاری کرنے والی کمپنی کا کاروبار جائز ہو، شیرز دراصل کمپنی میں موجود اثاثے میں ملکیت کے مخصوص تناسب کی نمائندگی کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ کمپنی کے اثاثوں پر مشتری کو قبضہ دینے کی اس کے سوا کوئی شکل نہیں ہے کہ شیرز سرٹیفکٹ پر آدمی قبضہ کرا دے، علماء نے شیرز سرٹیفکٹ پر قبضہ کو اس کی اصل مالیت پر قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، اسی طرح چیک بھی اس نقد کا قائم مقام ہے جو حکومت کے خزانے میں موجود ہے، اس پر قبضہ اصل نقد پر قبضہ کے قائم مقام ہے۔۔۔

جہاں تک محتال علیہ کی رضامندی کا مسئلہ ہے تو جب بینک کے بنیادی فرائض میں اس قسم کا لین دین بھی شامل ہے تو یہ کہنا بہت عجیب ہے کہ بینک سے اس عقد کی اجازت لی گئی ہے یا نہیں؟

☆غرض محتاط قول کے مطابق روپے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہے۔

(الف)اس میں مجلس عقد میں تقابض بدلین ضروری ہے،ایک نقد اور دوسرا ادھار درست نہیں:

(ويشترط) عدم التأجيل والخيار و (التماثل) أي التساوي وزنا (والتقابض) بالبراجم لا بالتخلية (قبل الافتراق) (الدرالمختار) أي افتراق المتعاقدين بأبدانهما و التقييد بالعاقدين يعم المالكين والنائبين وتقييد الفرقة بالأبدان يفيد عموم اعتبار المجلس ومن ثم قالواإنه لا يبطل بمايدل على الإعراض ولوسارا فرسخا ولم يتفرقا صح وقد اعتبروا المجلس في مسألة هي ما لو قال الأب اشهدوا أني اشتريت هذا الدينار من ابني الصغير بعشرةدراهم ثم قام قبل أن يزن

العشرة فهو باطل كذا عن محمد لأنه لا يمكن اعتبار التفرق بالأبدان[75]۔

(ب)سونا اور چاندی کا جو نرخ حکومت یا اس کی مارکیٹ نے طے کیا ہے اس سے زیادہ یا کم قیمت میں روپے سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے،اس لئے کہ روپیہ کی جنس ثمنیت سونا چاندی سے مختلف ہے اور مختلف الجنس میں تفاضل کی اجازت ہے،

وان باع الذهب بالفضة جاز التفاضل لعدم المجانسة [76]۔

سوناچاندی دے کرزیورات بنوانا

☆زیور بنانے والے کاریگر زیورات کے تاجروں سے ایک متعینہ وزن میں سونا لیتے ہیں اور چند دنوں میں اس کے بدلے سونے سے بنائے ہوئے زیورات انہیں واپس کرتے ہیں،انہیں الگ سے کوئی اجرت نہیں دی جاتی بلکہ زیورات کی شکل میں سونے کی اتنی ہی مقدار انہیں واپس کرنی ہوتی ہے جتنی انہوں نے لی تھی،البتہ سونے کازیور بنانے میں دوسری دھاتوں کی آمیزش ضروری ہوتی ہے،اس آمیزش کے بقدر سونا ان کو بچ جاتا ہے اور زیور بنانے میں سونے کے کچھ ذرات نکل آتے ہیں،یہی ان کی اجرت ہوتی ہے:

(الف)اگر یہ واقعی اجرت ہے جیسا کہ ان کے پیشے کا تقاضا ہے کہ وہ سونا کے

---

[75] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 5 ص 258 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.

[76] -هداية كتاب الصرف ج 3 ص 104 ط ديوبند۔

کاریگر ہیں تاجر نہیں، تو اجرت متعین ہونی ضروری ہے، سونے کے ذرات کتنی مقدار میں نکلیں گے یہ پہلے سے معلوم نہیں ہے تو یہ اجارۂ مجہولہ ہے اور درست نہیں، نیز یہ جنس عمل سے اجرت ہے جو بہت سے فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے[77]۔

(ب) اور اگر بیع ہے تو بیع صرف میں تماثل کے ساتھ مجلس عقد میں تقابض بدلین بھی ضروری ہے، جو یہاں موجود نہیں، اس لئے بیع بھی جائز نہیں ہے۔

سونا کے تاجروں اور کاریگروں کو چاہئے کہ معاملہ کی صورت پہلے سے طے کرکے کاروبار کریں، ورنہ شرعی قباحت سے چارہ نہیں، مثلاً یہ صورت ممکن ہے کہ قبل سے تیار شدہ زیورات سونا کے تاجروں کے پاس لے جائیں اور ان کے وزن کے مطابق ان کے بدلے سونا لے لیں۔

پرانے زیورات کو نئے زیورات سے تبدیل کرنا

☆ سونا چاندی کے پرانے زیورات کو نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، سونا چاندی میں نئے اور پرانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، تماثل اور تقابض ہر حال میں ضروری ہے۔

---

[77] - الهداية 3 / 242 ، والفتاوى الهندية 4 / 444 ، والشرح الصغير 4 / 18 ط دار المعارف ، وبداية المجتهد 2 / 246 ، ومنهاج الطالبين وحاشية القليوبي 4/68 ، 69

فان باع فضة بفضة وذهباً بذهب لایجوز الا مثلاً بمثل وان اختلفت فی الجودة والصیاغة[78]۔

آن لائن سوناچاندی کی بکنگ اور کاروبار

☆ آج کل کمیوڈیٹر ایکسچینج میں دوسری اشیاء کے ساتھ سونے چاندی کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے جس میں خریدار آرڈر دیتا اور جو کچھ اس نے آرڈر دیا ہے اس کے آرڈر کے بقدر وہ شے اس کے نام سے محفوظ کردی جاتی ہے:

الف: مثلاً دوسو(۲۰۰)افراد نے پچاس پچاس گرام سونے کا آرڈر دیا،اور ایکسچینج میں ان سب کے نام سے پچاس پچاس گرام سونا محفوظ کردیا گیا،اور اس کو کمپیوٹر یا ریکارڈر جسٹر میں درج بھی کردیا گیا،لیکن محض اس اندراج سے خریداروں کا قبضہ متحقق نہ ہوگا خواہ وہ ایک کلوسونا مشترک طور پر اینٹ کی شکل میں ہو یاالگ الگ بسکٹ اور سکوں کی شکل میں،اس لئے کہ فقہاءحنفیہ کے نزدیک قبضہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ مبیع سے بائع یاکسی دوسرے کا حق متعلق نہ ہو،اوروہ کلی طورپر مشتری کے لئے فارغ ہو ،نیز بائع کے ضمان سے مشتری کے ضمان میں منتقل ہوجائے[79]۔البتہ حنابلہ کے یہاں توسع

---

[78] -هداية كتاب الصرف ج 3 ص 104 -

[79] -الفتاوى الهندية 3 / 17، ورد المحتار 4 / 562، 5 / 690 ط . الحلبي، بدائع الصنائع 6 / 125، 140، ومجمع الضمانات للبغدادي ص219، 238،

ہے اور حق غیر میں مشغول اور غیر متمیز ہونے کے باوجود قبضہ مکمل ہو جاتا ہے[80]۔

ایکسچینج میں سونا چاندی کا ادھار کاروبار

☆ایکسچینج کے ذریعہ کاروبار کی ایک اور صورت جو آج کل رائج ہے، یہ ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے لئے ادھار ایک مخصوص مقدار جیسے ۱۰ تولے سونے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا، جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خریدنے کے دن سونے کا نرخ تیس ہزار روپے فی تولہ تھا، اور ادائیگی کے دن اکتیس ہزار ہو گیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے ادا کرے گا، اور اگر ادائیگی کے دن انیتس ہزار روپے ہو گیا تو بائع خریدار کو ایک ہزار روپے ادا کرے گا، نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے اور نہ بائع قیمت پر، بس قیمتوں کے فرق کا کاروبار ہوتا ہے، میرے نزدیک یہ قمار کی ایک صورت ہے اور بالکل ناجائز ہے۔

سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی

☆بہت سی دفعہ سونے کی قیمت میں متوقع اضافہ کا سونے چاندی کے تاجروں کو علم ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ سونے کو روک لیتے ہیں تاکہ قیمت بڑھنے کے بعد

[80] - المغني 4 / 333 ط . دار المنار، وكشاف القناع 3 / 202 مط . أنصار السنة المحمدية.

اس کو فروخت کریں، سونا اس پہلو سے اشیاء ضروریہ میں شامل ہے کہ ثمن خلقی ہونے کے لحاظ سے وہ ذریعۂ تبادلہ ہے اس کو روک لینے کی وجہ سے سونے کی قیمت تو بڑھتی ہی ہے اس گرانی کا اثر دوسری اشیاء پر بھی پڑتا ہے، تو کیا سونے کی ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے لئے اس کو روک کر رکھنا کیا احتکار کے دائرے میں آئے گا؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے اصول پر یہ احتکار ممنوع کے دائرے میں داخل نہیں ہے، ان بزرگوں کے نزدیک صرف انسانی یا حیوانی غذائی اشیاء کا احتکار ممنوع ہے، یعنی ایسی چیزیں جو براہ راست انسان یا جانوروں کے نظام تغذیہ کو متأثر کرے، بالواسطہ یا سبب بعید کے طور پر متأثر کرنے والی ذخیرہ اندوزی احتکار ممنوع میں شامل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو خلاف اولیٰ یا خلاف افضل کہا جاسکتا ہے،۔۔اور وہ بھی اس بناپر کہ حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک احتکار کا دائرہ دیگر ائمہ کی طرح وسیع ہے، ان کے نزدیک عام لوگوں کو نقصان پہونچانے والا ہر احتکار درجہ بدرجہ ممنوع ہے:

ولأن حرمة الاحتكار بحبس المشترى في المصر لتعلق حق العامةبه فيصير ظالمابمنع حقهم على ما نذكر ولم يوجدذلك في المشتري خارج المصرمن مكان بعيدلأنه متى اشتراه ولم يتعلق به حق أهل المصر فلا يتحقق الظلم ولكن مع هذا الأفضل له أن لايفعل ويبيع لأن في الحبس ضررا بالمسلمين وكذلك ماحصل له من ضياعه بأن زرع أرضه فأمسك

طعامه فليس ذلك باحتكارلأنه لم يتعلق به حق أهل المصرلكن الأفضل أن لايفعل و يبيع لما قلنا ثم الاحتكار يجري في كل ما يضر بالعامة عند أبي يوسف رحمه الله قوتا كان أولا وعند محمد رحمه الله لا يجري الاحتكار إلا في قوت الناس وعلف الدواب من الحنطة والشعيروالتبن والقت[81].

سوناچاندی کی اسمگلنگ

☆ملک میں جو سونا آتا ہے اس میں بڑا حصہ تو قانونی طریقہ پر آتا ہے اور سونا لانے والا اس سے متعلق واجبات کو ادا کرتا ہے، دوسرا راستہ اسمگلنگ کا ہے، یہ طریقہ غیر قانونی ہے، اس میں سونا لانے والا ان واجبات کو ادا نہیں کرتا، جو حکومت نے سونے کی درآمد سے متعلق مقرر کئے ہیں، اس کو آج کی اصطلاح میں اسمگلنگ کہتے ہیں، قانون کی نگاہ میں یہ جرم ہے اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ مال ضبط ہو سکتا ہے، شریعت کی نگاہ میں حکومت کے جائز ضوابط کی رعایت لازم ہے، اس کی تکمیل نہ کرنا گناہ ہے، اس لئے کہ یہ ملک کے معاہدۂ شہریت کے خلاف ہے، مسلمان ہر حال میں اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے، نبی

---

[81] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج **11** ص **377** تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي **587**ھ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية **1406**ھ – **1986**م

کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ فِيمَاوَافَقَ الْحَقَّ**[82]»

ترجمہ: موافق حق معاملات میں مسلمان شرائط کا پابند ہوتا ہے۔

فقہاء نے قومی اور بین الاقوامی بے شمار مسائل میں اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے[83]

علاوہ ازیں مسلمان کی عزت و حرمت کی حفاظت مقاصد دین بلکہ ضروریات ستہ (حفاظت دین، حفاظت جان، حفاظت مال، حفاظت عقل، اور حفاظت آبرو یا نسب) میں شامل ہے[84]، ملکی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی عزت وآبرو خطرہ میں پڑسکتی ہے، اس لئے بلا کسی عذر شرعی کے اس کو خطرہ میں ڈالنا درست نہیں۔

---

82 -السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ٧ ص ٢٤٩ حديث نمبر:١٤٨٢١المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10 –امام بخاریؒ نے اس روایت کو ترجمۃ الباب میں تعلیقاً نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۴۔

83 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۴ ص ١٩٠ تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م -

84 - شرح مختصر الروضة ج ٣ ص ٢٠٩ المؤلف : سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى : 716هـ)المحقق : عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1407 هـ / 1987 م عدد الأجزاء : 3 ،– تيسير الوصول إلى قواعد الأصول ومعاقد الفصول ج ١ ص ٣٧٢ للإمام عبد المؤمن بن عبد الحقّ البغدادي الحنبلي (658 . 739هـ) شرح : عبد الله بن صالح الفوزان المدرّس . سابقاً . بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية فرع القصيم مقدمة الطبعة الثانية «وهي الأولى لدار ابن الجوزي-

ان وجوہات کی بناپر خلاف قانون اسمگلنگ کرنا جرم ہے، لیکن اگر کسی نے بچ بچا کر سونا لے آیا تو حاصل شدہ مال حلال وطیب ہے، بشر طیکہ بیع وشرا کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، اس لئے کہ حنفیہ کے اصول کے مطابق عملی فساد کا تعلق گناہ وثواب سے ہے نہ کہ مال کی حلت وحرمت سے۔

پلاٹین (سفید سونا) کا حکم

☆ آج کل "پلاٹین "کو سفید سونا کہا جاتا ہے، اب اس کا شمار مہنگی دھاتوں میں ہوتا ہے ،اور اس کے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود زکوۃ یا عقود ومعاملات میں اس پر حقیقی سونا کے احکام جاری نہیں ہونگے ،اس لئے کہ سونا چاندی میں ثمنیت یا تو خلقی طور پر ہے جیسا کہ مشہور ہے، یا اعتباری طور پر، پلاٹین کو ان دونوں میں سے کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے ،اس کا ثمن خلقی ہونا تو ممکن ہی نہیں ،اسی طرح جب تک کہ یہ وسیلۂ تبادلہ اور معیار ثمن کی حیثیت سے لوگوں میں متعارف نہ ہو جائے اور حکومتیں اسے تسلیم نہ کرلیں اس کو ثمن اعتباری بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔۔۔موجودہ حالات میں یہ صرف عروض کے درجہ میں ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆کرنسی سے سوناچاندی خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں ہے،اس لئے بدلین میں سے کسی ایک کا ادھار ہونا درست ہے۔

☆سونے چاندی کی مقررہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت درست ہے۔

☆سونے چاندی کی زیورسازی میں نکلنے والے ذرات کو اجرت بنانا درست ہے،جب کہ مقدار میں ایسی جہالت نہ ہو جو نزاع کا سبب بنے،البتہ بہتر یہ ہے کہ الگ سے اجرت متعین کی جائے۔

☆سونے چاندی کے پرانے زیورات کا نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہے، اگر تبادلہ کرنا ہی ہے تو پرانے کو قیمتاً بیچ دے اور پھر اس قیمت سے نیا زیور خرید لے۔

☆ کمیوڈیٹر ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت درست نہیں کہ خریدار کا قبضہ ہی متحقق نہ ہو۔

☆ کمیوڈیٹر ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت کہ صرف کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج ہو درست نہیں ہے،البتہ اگر خریدار کے لئے اس کی خرید کردہ مقدار الگ کر دی جائے اور اس

پر عملی قبضہ ہو جائے تو درست ہے۔

☆ کمیوڈیٹرا ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت درست نہیں ہے کہ مبیع اور ثمن پر قبضہ ہی نہ ہو اور صرف خریداری اور ادائیگی کے وقت نرخ میں جو کمی بیشی آتی ہے اس کا لین دین کر لیا جائے۔

☆ گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، البتہ اس کو روک کر رکھنے کی صورت میں دوسری ضروری اشیاء کی قیمتیں متاثر ہوتی ہوں تو اس سے بچنا چاہئے۔

☆ اسمگلنگ غیر قانونی عمل ہے لہذا اس راستہ سے سونے کی خرید وفروخت سے بچنا چاہئے، لیکن اس راہ سے کسی نے سونا خرید لیا تو وہ اس کا مالک ہے۔

☆ پلاٹینم سونا نہیں ہے، لہذا عقود نیز زکوۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام جاری نہیں ہونگے[85]۔

----

85 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ دوم ص ۲۰،۲۱

تجاویز ادارة المباحث الفقهية

☆روپے پیسے یاکسی بھی کرنسی کے ذریعہ سونے،چاندی کی خرید و فروخت بیع صرف نہیں ہے،اس لئے اس طرح کی بیع میں مجلس عقد میں صرف احد البدلین پر قبضہ کافی ہے۔

☆وہ مالی سندات جن کے ذریعے مجلس عقد میں عرفاًو قانوناًرقم پر قبضہ سمجھاجاتاہے ، (جیسے سرٹیفائڈ چیک اورڈرافٹ)ان کے ذریعے سونے چاندی کی ادھار خرید و فروخت درست ہے۔

☆ڈیبیٹ کارڈ کےذریعہ سونےچاندی کی خریدوفروخت جائزہےاوراس میں ثمن پر فوری طور پر شرعی قبضہ متحقق ہوجاتاہے[86]۔

----

86 - فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے و تجاویز ص ۱۴۷،۱۴۸

کرپٹو کرنسی کا شرعی حکم

کرپٹو (یا ورچوئل) کرنسی عہد حاضر کا جدید ترین مسئلہ ہے، جس کے وجود پر بہت زیادہ مدت نہیں گذری ہے:

کرپٹو کرنسی کی تاریخ اور پس منظر

کہتے ہیں کہ ۲۰۰۸ء میں "ایک مغربی مفکر ستوشی ناکاموٹو" نے اس کا تخیل پیش کیا، اور ۲۰۰۹ء میں اسی نظریہ پر مبنی اس نے پہلی بار "بٹ کوائن کرنسی" کی ابتدا کی، جس میں اس نے دیگر بہت سے ماہرین کو بھی شامل کیا، شروع میں اس کے سفر کی رفتار بہت دھیمی رہی، اور بہت دنوں تک لوگ تذبذب میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ ۲۰۱۰ء ہی میں خود ستوشی ناکاموٹو اس کاروبار سے دستبردار ہو کر اچانک غائب ہو گیا، اور دوسرے کسی کام میں لگ گیا، اور پھر دوبارہ وہ کبھی نہیں لوٹا، لیکن اس کے غائب ہو جانے کے بعد اس کے رفقاء کار نے اس نظریہ کو آگے بڑھایا، اور پھر اس نظریہ کو ایسی قبولیت حاصل ہوئی کہ دنیا کے بڑے حصے میں ذریعۂ مبادلہ کے طور پر اس کا رواج عام ہو گیا، اور اس نظریہ پر مبنی بہت سی دوسری کرنسیاں بھی وجود میں آگئیں، کئی ملکوں نے اس کے تعلق سے قانون سازیاں کیں، کئی علمی مجالس میں اس کو موضوع بحث بنایا گیا، بڑی متضاد تحریریں اس کے بارے میں شائع ہوئیں جن سے اصل حقیقت تک پہونچنا مشکل

ہو گیا، علماء شرع نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق اظہار خیال فرمایا، لیکن اب لگتا ہے کہ بڑی حد تک مطلع صاف ہو گیا ہے، اور پختہ حقائق سامنے آئے ہیں، چنانچہ ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند نے اس جانب ایک فیصلہ کن قدم اٹھایا، اور پختہ معلومات کی روشنی میں ایک سوالنامہ مرتب کیا جس سے علماء کے لئے جواب دینا نسبتاً آسان ہو گیا ہے، چنانچہ سوالنامہ میں کرپٹو کرنسی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

"کرپٹو کرنسی ایک ایسازر ہے جو ہندسوں کی شکل میں ہوتا ہے، اس کا کوئی حسی وجود نہیں ہوتا، اس کی تخلیق کا ایک خاص طریقہ ہے، کرپٹو کرنسی کا استعمال انٹرنیٹ کے ذریعہ ہوتا ہے، یہ کرنسی کمپیوٹر سافٹ ویر سے بنتی ہے اور کمپیوٹر ہی میں رہتی ہے، اور کمپیوٹر سے کمپیوٹر یا موبائل میں ہی منتقل ہوتی ہے، اسے ہاتھ میں لینا اور بغیر نیٹ ورک کے استعمال کرنا ممکن نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کو "ورچوئل "یعنی معنوی کرنسی بھی کہا جاتا ہے -----کرپٹو کرنسی کو خریدا اور بیچا جا سکتا ہے، اور ایک ملکیت سے دوسری ملکیت میں منتقل کیا جا سکتا ہے، اس کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اور فریقین کی رضامندی سے اشیاء کے ثمن کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، تاہم اس کا کوئی مادی یعنی ظاہری اور خارجی وجود نہیں ہوتا، اس کو نہ تو کسی

حکومتی ادارہ نے جاری کیا ہے،اور نہ ہی کسی سرکاری ادارے کا اس پر اختیار ہے،یہی وجہ ہے کہ کوئی حکومت،ادارہ یا شخص اس کو نہ تو ختم کرسکتا ہے،اور نہ ہی عام نقود کی طرح مشینوں سے اس کو چھاپا جاسکتا ہے،کرپٹو کرنسی کے لین دین کو مستقل طور پر بلاک چین (الیکٹرانک رجسٹر یا بہی کھاتا) پر ریکارڈ کیا جاتا ہے،کرپٹو کرنسیوں میں سرمایہ کاری کرنے والوں کے کھاتے روایتی بینک کھاتوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ نمبروں اور حروف پر مشتمل پاس ورڈ ہوتے ہیں،جن کے ذریعہ ہی کرپٹو کرنسی کی منتقلی ہوسکتی ہے"[87]

سوالنامہ میں جو معلومات پیش کی گئی ہیں وہ صحیح حقائق پر مبنی ہیں،اس حقیر نے اس موضوع پر جن تازہ تحریرات کا مطالعہ کیا ہے ان سے ان کی تصدیق ہوتی ہے،اوران کی روشنی میں کرپٹو کرنسیوں کے مسئلہ کو شرعی طور پر بآسانی حل کیا جاسکتا ہے،اس ضمن میں سوالنامہ کے اندر جو سوالات اٹھائے گئے ہیں،ان کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

کرپٹو کرنسی کی حقیقت

سوال:- کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن،ایتھریئم،بائٹس کوائن وغیرہ) کی حقیقت

---

87 -سوالنامہ انیسواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیۃ ص ۲، ۲۰۲۴ء

کیاہے؟کرپٹوکرنسی اوربلاک چین ٹیکنالوجی میں کیاتعلق ہے؟

جواب:- کرپٹوکرنسی کامشہورنام ورچوئل کرنسی ہے،اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں،مگرسب کاقدرمشترک ایک ہے:

انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ(آئی ایم ایف)کے نزدیک اس کی تعریف یوں ہے:

(انگریزی کاترجمہ)ورچوئل کرنسیاں قیمت کاہندسوں میں اظہارہیں ،جنہیں عام لوگ بناتے ہیں اوران کی اپنی اکائی میں ان کااظہار ہوتاہے"

یوروپین سینٹرل بینک اس کی تعریف کرتاہے:

" (انگریزی کاترجمہ)ورچوئل کرنسی ایک ایسازرہے جوکہ ہندسوں کی شکل میں ہوتی ہے،اس پرکوئی قانون جاری نہیں ہوتا،اسے اس کے بنانے والے جاری کرتے ہیں،اورعموماًوہی اس کانظم چلاتے ہیں ،اورایک مخصوص ورچوئل معاشرے میں اسے قبول اوراستعمال کیاجاتاہے"

یوروپین بینکنگ اتھارٹی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"(انگریزی کاترجمہ)ورچوئل کرنسی کی تعریف قیمت کے ایک ایسے ہندسوں میں اظہارکے طورپرکی جاسکتی ہے جسے نہ توکسی مرکزی

> بینک یا سرکاری ادارے نے جاری کیا ہو اور نہ ہی وہ لازمی طور پر قانونی کرنسی سے منسلک ہو، لیکن حقیقی یا قانونی اشخاص اس کا استعمال ذریعۂ مبادلہ کے طور پر کرتے ہوں ،اور اس کا انتقال ،حفاظت اور تجارت برقی ذرائع سے کی جاتی ہو"[88]

ان تعریفات سے اندازہ ہوتا ہے، کہ کرپٹو کرنسی دراصل چند اعداد کا نام ہے جو کافی محنت سے تیار کردہ ایک سافٹ ویر کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں، کمپیوٹر یا انٹرنیٹ سے باہر الگ سے کوئی ان کا حسی وجود نہیں ہے، بلکہ ان کا تمامتر استعمال کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، لیکن اس کا ایک محفوظ اور مستحکم نظام ہے، جو اس کے ماہرین کے ذریعہ چلتا ہے جو حکومت کے بجائے عوام کے ہاتھ میں ہے، اس میں اشیاء کی قیمت بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے، ان کو دیگر حسی اموال کی طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور ذخیرہ کیا جاسکتا ہے۔

فکری بنیاد

اس کرنسی کی بنیاد اس نظریہ پر ہے جس کا تذکرہ ستوشی ناکاموٹو نے اپنے مقالے میں کیا تھا، اور جس کو "ورچوئل کرنسی" کا پس منظر اور سبب وجود بھی قرار دے سکتے ہیں" کہ آن لائن خرید وفروخت میں ہمیشہ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ خریدار بیچنے

---

88 -ورچوئل کرنسیوں کی شرعی حیثیت ص ۱۵، ۱۶ محمد اویس پراچہ جامعۃ الرشید کراچی، سنہ ۱۴۳۹ھ مطابق سنہ ۲۰۱۸ء

والے کو پیسوں کی ادائیگی کرنے کے بعد وہ رقم واپس حاصل کرلے (مثلاً وہ ایک ہی رقم دوبارادائیگی میں استعمال کرلے یاادائیگی منسوخ کردے)اوراس امکان سے بچنے کے لئے بینک اوردیگر اداروں کاسہارا لیاجاتاہے ،جو درمیان میں ثالث کاکردار اداکرتے ہیں ،اوراس ثالثی کی فیس لیتے ہیں، اس فیس کی وجہ سے نہ صرف عملاً اداکی جانے والی رقم میں اضافہ ہوجاتاہے، بلکہ دیگر مسائل بھی پیش آتے ہیں، اس لئے ایک ایسانظام ہوناچاہیے جس میں ادائیگی کے بعدرقم کوواپس نہ کیاجاسکے اوراس میں کسی متعین ثالث کی ضرورت نہ ہو"

ورچوئل کرنسیوں کے کاروبار کوچلانے اور اس کو تحفظ دینے کے لئے بلاک چین سسٹم بنایاگیا،اوراس کی ایجاد بھی ستوشی ناکاموٹو ہی کی دین ہے، بلاک چین سسٹم ہی کی بنیادپر موجودہ دور کی تمام ورچوئل کرنسیاں کام کررہی ہیں، یہ سسٹم کئی کمپیوٹروں کوایک ساتھ جوڑتاہے، یہ ایک طرح کاالیکٹرانک رجسٹر ہے جس میں ہرطرح کے لین دین کااندراج ہوتاہے، جو کبھی بھی واقع ہواہو، بلاک چین ہی سارے سسٹم کوکنٹرول کرتاہے ،اوردیگر حسی کرنسیوں سے اس کو ممتاز کرتاہے، چنانچہ فلورین گلیسر وغیرہ نے بلاک چین کی تعریف اس طرح کی ہے:

"بلاک چین اس تمام تصدیق شدہ اوردرست لین دین کو ظاہر کرتاہے ،جو نیٹ ورک کے صارفین کے درمیان ہوئی ہوتی ہے"

۔۔۔بلاک چین ٹیکنالوجی "عوامی کی" کے کوڈ لکھنے کے طریقے سے دوبار خرچ کے مسئلے کو یقینی طور پر ختم کرتی ہے، ہر ایجنٹ کو ایک "پرائیوٹ کی" (جسے پاسورڈ کی طرح محفوظ رکھا جاتا ہے) اور ایک "عوامی کی" (جسے دوسروں کو بتایا جاسکتا ہے) دی جاتی ہے "یہ ٹکڑوں میں تقسیم ڈیٹابیس ہے، ہر کمپیوٹر میں تمام ڈیٹا کی ایک مکمل نقل محفوظ ہوتی ہے، ڈیٹا کو ٹکڑوں میں تقسیم کرکے محفوظ کیا جاتا ہے، اس میں موجود ریکارڈ کو "بلاکس" کہا جاتا ہے، اس سسٹم میں بیک وقت شفافیت اور گمنامی دونوں موجود ہوتی ہیں، یہ سسٹم اس لحاظ سے شفاف ہوتا ہے کہ اس میں ہونے والی ہر لین دین کا ریکارڈ نیٹ ورک پر موجود ہر کمپیوٹر دیکھ سکتا ہے اور کسی لین دین کو چھپانا یا خفیہ رکھنا اس میں ممکن نہیں، دوسری جانب اس میں گمنامی اس طرح ہوتی ہے کہ نیٹ ورک پر موجود ہر صارف صرف ایک کوڈ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور یہ معلوم کرنا کافی مشکل ہوتا ہے کہ کون سا کوڈ کس شخص کا ہے، اور وہ دنیا میں کہاں سے لین دین کر رہا ہے [89]

----

89 -ورچوئل کرنسیوں کی شرعی حیثیت ص ۲۷ مولانا محمد اویس پراچہ جامعۃ الرشید کراچی، ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء

کرپٹوکرنسی میں مائننگ کا عمل

سوال:-کرپٹوکرنسی میں مائننگ (تخلیق وایجاد) کا عمل کیا ہوتا ہے؟اور یہ عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟اس طرح اس عمل کو کمائی کا ذریعہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: کرپٹوکرنسی کے ٹرازیکشن اورلین دین معاملے میں اس اطمینان کی ضرورت پڑتی ہے کہ بھیجنے والا کرنسی کا مالک تھا یا نہیں؟کیا وہ اسے پہلے خرچ تو نہیں کرچکا تھا،کسی تیسرے شخص کے ذریعہ اس کی تصدیق وتوثیق کے عمل کو مائننگ کہتے ہیں، جس کے عوض تصدیق کرنے والے کو کچھ نئی بٹ کوائن اور معاوضہ ملتا ہے،عام طورپر آن لائن پیسوں کی لین دین میں درمیانی ادارہ یابینک ان سوالوں کاجواب ڈھونڈھتاہےاوریہ ذمہ داری لیتاہے کہ یہ معاملہ مکمل طورپر شفاف اورہر قسم کے دھوکے سے پاک ہے،چونکہ کرپٹوکرنسی کسی ادارہ یابینک کے ماتحت نہیں ہوتی،اس لئے اس میں ان سوالوں کے جوابات ایک تیسرا صارف ڈھونڈھتاہے جسے "مائنر" کہتے ہیں ،کرپٹوکرنسی کی ہرلین دین کاریکارڈ بلاک چین سسٹم کے تحت ہر صارف کے پاس موجود ہوتاہے ،مائنر اس ریکارڈ میں سے یہ ڈھونڈھتاہے کہ مذکورہ کرپٹوکرنسی (جو کہ ٹرانزیکشن کی شکل میں اپناایک منفرد کوڈرکھتی ہے) بھیجنے والے کے پاس کہاں سے آئی تھی ،اوروہ اسے کہیں اورخرچ تو نہیں کرچکا تھا؟اگر سب کچھ ٹھیک ہے تو وہ اس کی تصدیق کرتاہے،اس کی تصدیق کے بعد ہی یہ رقم بھیجے گئے شخص کے اکاؤنٹ میں منتقل

ہو گی، اس تصدیق کے نتیجے میں کچھ نئی کرنسیاں وجود میں آتی ہیں وہ مائنر کو ملتی ہیں، یہی اس کے عمل کا معاوضہ ہے، اور اس کا حقدار وہ پہلا صارف ہو گا جو اس کی تصدیق کر سکے، اس کے علاوہ اکثر ٹرانزیکشن کرنے والے کچھ مزید رقم بھی اپنی طرف سے مائنر کو دیتے ہیں۔

مائننگ کی فقہی تکییف "جعالہ"

اس کی فقہی تکییف اس طرح ہو گی کہ جب ٹرانزیکشن کرنے والا کوئی کرنسی کسی کو بھیجتا ہے تو وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص میری اس ٹرانزیکشن کی تصدیق کرے گا اسے اتنی کرنسیاں ملیں گی، یہ اعلان صرف اس کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ پورے نیٹ ورک کی طرف سے ہوتا ہے، کیونکہ ہر ایک تصدیق سے نیٹ ورک چلتا ہے، اگر کسی بلاک کی تصدیق نہ ہو تو اس سے اگلے بلاک کی تصدیق بھی نہیں ہو سکتی، مائنر مل کر ایک بلاک بناتے ہیں، اور اس کی تصدیق کرتے ہیں، اس میں کوئی ایک مائنر ہی سب سے پہلے کامیاب ہوتا ہے، اور تصدیق کا عمل مکمل ہونے پر مخصوص وقت کے بعد مائنر کو اس کی اجرت مل جاتی ہے [90]، شرعی طور پر یہ جعالہ کا عمل ہے، جو جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ - ایک قول کے مطابق - اور حنابلہ) کے نزدیک جائز ہے۔

عقد جعالہ اس عقد کو کہتے ہیں، جس میں ایک فریق دوسرے فریق سے مقررہ

---

90 - حوالہ بالا

رقم کے عوض کسی کام کی انجام دہی کا ذمہ لیتا ہے،اور کام کی تکمیل کے بعد ہی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے، اگر کوشش کے باوجود وہ کام انجام نہ پاسکے یا ادھورا رہ جائے تو گو کہ اس نے اس کام کے لئے کافی محنت اور سرمایہ خرچ کیا ہو لیکن وہ معاوضہ کا مستحق نہیں ہوگا،اس میں مدت کے بجائے کام مقصود ہوتا ہے،اسی لئے مالکیہ اور شافعیہ مدت مقرر کرنے کی اجازت نہیں دیتے، جبکہ حنابلہ اجازت دیتے ہیں، لیکن دونوں صورتوں میں کام کی تکمیل کے بغیر معاوضہ کا استحقاق نہیں ہوتا، مثلاً کسی کے بدکے ہوئے جانور کو واپس لانے کا معاملہ کرے،یا کسی مریض کے شفایاب ہونے تک اس کے علاج کا ذمہ لے،وغیرہ۔ عموماً یہ عقد ایسے امور پر کیا جاتا ہے جس کی تفصیلات قبل از وقت طے نہیں کی جاسکتیں[91]۔

مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ نے اس کی اجازت دی ہے،مالکیہ کے یہاں اصل عدم جواز ہے لیکن بطور رخصت اس کی گنجائش دی ہے،استدلال میں بعض آیات واحادیث کے علاوہ ضرورت کو بھی مدار بنایا گیا ہے، حنفیہ (باستثناء عبد آبق)اس کے جواز کے قائل

---

91 - الخرشي على مختصر سيدي خليل ج ۷ ص ۵۹ الناشر دار الفكر للطباعة مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 4* أسنى المطالب في شرح روض الطالب ج ۲ص ۴۳۹المؤلف : شيخ الإسلام / زكريا الأنصاري دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت – 1422 هـ – 2000 الطبعة : الأولى ،تحقيق : د . محمد محمد تامر عدد الأجزاء / 4 شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولي النهى لشرح المنتهى ج ۲ ص ۳۷۲ منصور بن يونس بن إدريس البهوتي سنة الولادة / سنة الوفاة 1051 الناشر عالم الكتب سنة النشر 1996مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 3

نہیں ہیں، اس لئے کہ اس میں جہالت اور غرر ہے[92] اس کا مطلب ہے کہ غرر و جہالت نہ ہونے یا باعث نزاع جہالت نہ ہونے کی صورتوں میں اس کی گنجائش ہونی چاہئے، تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں[93]۔

فأما الجعالة فتجوز على عمل مجهول كرد اللقطة والآبق [94]

عقد الجعالة مباح شرعا عند المالكية والشافعية ، والحنابلة ، إلا أن المالكية يقولون : إنها جائزة بطريق الرخصة ، اتفاقا ، والقياس عدم جوازها

---

[92] - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج ٣ ص ٩٣ المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ) الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ* ابن عابدين 5 / 58 و 258 ، والزيلعي 6 / 226 ، والمبسوط 11 / 17 ، والبدائع 6 / 203

[93] - الخرشي على مختصر سيدي خليل ج ٧ ص ٥٩ الناشر دار الفكر للطباعة مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 4* أسنى المطالب في شرح روض الطالب ج ٢ص ٤٣٩المؤلف : شيخ الإسلام / زكريا الأنصاري دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت – 1422 هـ – 2000 الطبعة : الأولى ،تحقيق : د . محمد محمد تامر عدد الأجزاء / 4* شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولي النهى لشرح المنتهى ج ٢ ص ٣٧٢ منصور بن يونس بن إدريس البهوتي سنة الولادة / سنة الوفاة 1051 الناشر عالم الكتب سنة النشر 1996مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 3

[94] - المغني – ابن قدامة]ج ٦ ص ١٣٣الكتاب : المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني المؤلف : عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي أبو محمد الناشر : دار الفكر – بيروت الطبعة الأولى ، 1405عدد الأجزاء : 10)

بل عدم صحتها للغرر الذي يتضمنه عقدها ، وإنما خرجت عن ذلك إلى الجواز[95]

ورچوئل کرنسی کی مائننگ کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں عقد جعالہ لوگوں کی ضرورت ہے ،ٹرانزیکشن اتنی بڑی تعداد میں ہوتا ہے کہ ہر ٹرانزیکشن کے لئے الگ الگ اجارہ کرنا ممکن نہیں ، اگر الگ الگ اجارے کا عقد کیا جائے تو اس سے عام لوگوں کو سخت ضرر لاحق ہوگا، نیز کام میں بھی غیر معمولی تاخیر ہوگی ، ان نقصانات سے بچنے کے لئے ائمۂ ثلاثہ کے قول کے مطابق عقد جعالہ کی بنیاد پر اس عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے ۔۔۔اوراس عمل سے جو کمائی حاصل ہوگی وہ حلال اور طیب ہوگی۔

کرپٹو کرنسی میں ثمن عرفی بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے

سوال: کیا کرپٹو کرنسی کو کاغذی کرنسی کی طرح ثمن عرفی قرار دیا جاسکتا ہے ؟

جواب: موجودہ دور میں کرپٹو کرنسی کے اندر ثمن عرفی بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے، کیونکہ ثمن عرفی (یا ثمن اصطلاحی) کی ثمنیت عرف اور تعامل ہی سے پیدا ہوتی ہے ،اس لئے بحیثیت ذریعۂ مبادلہ جب تک اس کا تعامل جاری ہے، اس کی ثمنیت تسلیم کی جائے گی۔

---

95 -الموسوعة الفقهية الكويتية ،صادرة عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت ج 15 ص 208 ،دار السلاسل

ثمن عرفی کی بنیاد عرف اور تعامل پر ہے

اس تناظر میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول بہت بامعنیٰ ہے کہ:

ولو أن الناس أجازوا بينهم الجلود حتى يكون لها سكة وعين لكرهتها أن تباع بالذهب والورق نظرة [96]۔

ترجمہ: "اگر لوگوں میں سونا چاندی کے بجائے جانور کی کھال ذریعۂ تبادلہ بن جائے، اور اسی کی کرنسی اور سکہ چلنے لگ جائے تو میرے نزدیک سونا چاندی کے ساتھ اس کے مبادلہ پر بیع صرف کے احکام جاری ہونگے اور ادھار کی گنجائش نہ ہوگی"

چنانچہ پچھلے زمانوں میں فلوس، کھوٹے سکوں اور کرنسی نوٹوں کو بھی عرف اور تعامل ہی کی بنیاد پر اثمان کا درجہ حاصل رہا، بلکہ خود دراہم و دنانیر جن کو ثمن خلقی کہا جاتا ہے، ان کے ثمن خلقی ہونے پر کوئی نص موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ ابتدائے انسانیت ہی سے سونا اور چاندی کو بطور ثمن قبول کیا جاتا رہا ہے، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم ہی نے سونے اور چاندی کا سکہ جاری کیا[97] اور کسی بھی دور میں اس میں تعطل

---

96 - المدونة الكبرى ج **3** ص **5** المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى : **179**هـ)المحقق : زكريا عميرات الناشر : دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان

97 - إبراهيم عن معاوية بن عبد الله قال : سمعت كعبا يقول : أول من ضرب الدينار والدرهم آدم عليه السلام ، وقال : لا تصلح المعيشة إلا بهما(مُصنف ابن أبي شيبة ج **14** ص **144** المصنف :

واقع نہیں ہوا،اس لئے گویایہ ثمن خلقی ہیں،علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

(وأماالدرهم والدينار فمايعرف له حد طبعي ولا شرعي ، بل مرجعه إلى العادة والاصطلاح؛ وذلك لأنه في الأصل لا يتعلق المقصودبه،بل الغرض أن يكون معيارالما يتعاملون به،والدراهم والدنانير لا تقصد لنفسها ، بل هي وسيلة إلى التعامل بها ؛ ولهذا كانت أثمانا . - . إلى أن قال : والوسيلة المحضة التي لا يتعلق بها غرض ، لا بمادتها ولا بصورتها يحصل بها المقصود كيفما كانت)[98]-

"یعنی درہم ودینار (یعنی موجودہ ثمن)کی کوئی طبعی یا شرعی حقیقت نہیں ہے،ان کی بنیاد خالص عرف پر ہے،یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں،بلکہ مقصد کسی معیار تعامل اور ذریعۂ تبادلہ کا وجود ہے،اور یہی ان کے ثمن ہونے کی اساس ہے،جو چیزیں وسائل کا درجہ رکھتی ہیں ان کی نہ صورت مطلوب ہوتی ہے اور نہ مادہ،مقصد کی تکمیل سے زیادہ کچھ مطلوب نہیں ہوتا، (یعنی اگر یہ مقصد کسی اور چیز سے

أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (159 . 235 هـ)تحقيق : محمد عوامة.ملاحظات :. رقما الجزء والصفحة يتوافقان مع طبعة الدار السلفية الهندية القديمة..

[98] - مجموع فتاوى شيخ الإسلام ابن تيمية، 29 \ 251 .

حاصل ہونے لگے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا)۔

کھوٹے سکوں اور فلوس کے بارے میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

لأن غالبة الغش في حكم الفلوس من حيث إنها إنما صارت ثمنا بالاصطلاح على ثمنيتها فتبطل ثمنيتها بالكساد ، وهو ترك التعامل بها بخلاف ما كانت فضتها خالصة أو غالبة ، فإنها أثمان خلقة فلا تبطل ثمنيتها بالكساد[99]

ترجمہ: کھوٹے سکے اس لحاظ سے فلوس کے حکم میں ہیں کہ فلوس کی ثمنیت بھی لوگوں کے تعامل ہی پر مبنی ہے،اس لئے چلن اور تعامل ختم ہونے پر ان کی ثمنیت بھی باطل ہو جائے گی،بر خلاف خالص چاندی یا کم کھوٹ والے سکوں کے اس لئے کہ وہ ثمن خلقی ہیں ،تعامل ختم ہونے سے بھی ان کی ثمنیت باطل نہیں ہو گی"

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

أَمَّا عِنْدَنَا فَالْفُلُوسُ الرَّائِجَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأَثْمَانِ

---

[99] - **رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج 5 ص 162 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ) ،دارالفكر**

لِاصْطِلَاحِ النَّاسِ عَلَى كَوْنِهَا ثَمَنًا لِلْأَشْيَاءِ[100]

عہد قدیم میں چین کے اندر کاغذی درہم (نوٹ) کارواج بھی اسی طرح شروع ہوا تھا، بلکہ اس زمانے میں اس نوٹ کارواج اتنازیادہ تھا کہ ہمارے دور کے کرنسی نوٹوں کی طرح لین دین میں اس کے سوا کوئی چیز قابل قبول نہیں تھی، یہاں تک کہ درہم و دینار بھی نہیں ،درہم و دینار سے خرید و فروخت کے لئے بھی پہلے اس کاغذی نوٹ کو حاصل کرناپڑتاتھاپھر اس کے ذریعہ کوئی چیز خریدی جاسکتی تھی،اگر یہ نوٹ بوسیدہ ہوجاتایاپھٹ جاتاتو متعلقہ آفس یابینک میں اس کو جمع کرکے دوسرا متبادل نوٹ حاصل کیاجاسکتاتھا ،اوراس کا کوئی معاوضہ یافیس وصول نہیں کی جاتی تھی ،یہ ساری تفصیل چشم دید ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں نقل کی ہے:

(ذكر دراهم الكاغد التي بها يبيعون ويشترون) و أهل الصين لا يتبايعون بدينار ولا درهم، وجميع ما يتحصل ببلادهم من ذلك يسبكونه قطعا كما ذكرناه وانما بيبعهم وشراءهم بقطع كاغد، كل قطعة منها قدر الكف مطبوعة بطابع السلطان وتسمى الخمس والعشرون قطعة منها بالشت «43» ، بباء موحدة وألف ولام مكسور وشين معجم مسكن وتاء معلوة، وهو يمعنى الدينار عندنا

---

100 -المبسوط للسرخسي ج 14 ص 41 تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر:دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م

«44» وإذا تمزقت تلك الكواغد في يد إنسان حملها إلى دار كدار السكّة عندنا فأخذ عوضها جددا ودفع تلك، ولا يعطي على ذلك أجرة ولا سواها «45» ، لأن الذين يتولون عملها لهم الأرزاق الجارية من قبل السلطان، وقد وكل بتلك الدار أمير من كبار الامراء، وإذا مضى الانسان إلى السوق بدرهم فضة أو دينار يريد شراء شيء لم يؤخذ منه ولا يلتفت إليه حتى يصرفه بالبالشت ويشتري به ما أراد[101]

ثمن بننے کے لئے کسی خاص طبقہ کا تعامل کافی ہے

ان کے علاوہ دنیامیں جتنی چیزیں بھی ثمن عرفی کے طورپر جاری ہوئیں ان کی بنیاد یہی رہی ہے،خواہ ان کی اپنی ذاتی قیمت یاان کی پشت پر کوئی ٹھوس سرمایہ یاکسی حکومت کی طاقت رہی ہو یانہ رہی ہو،اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ دنیاکے ہر خطہ میں اورانسانوں کے ہر طبقہ میں اس کارواج ہو،بلکہ کسی ایک طبقہ یاخطہ میں ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے اس کاجاری ہونا بھی کافی ہے،جیساکہ اوپر چین کے اس کاغذی نوٹ کاذکر آیاجو اس دور میں چین کے علاوہ دنیاکے کسی خطہ میں جاری نہیں تھا،اسی طرح تاریخ میں

---

101 - رحلة ابن بطوطة (تحفة النظار في غرائب الأمصار وعجائب الأسفار) ج 4 ص 129 المؤلف: محمد بن عبد الله بن محمد بن إبراهيم اللواتي الطنجي، أبو عبد الله، ابن بطوطة (ت ٧٧٩هـ)الناشر: أكاديمية المملكة المغربية، الرباط عام النشر: ١٤١٧ هـ عدد الأجزاء: ٥

ان کے علاوہ بہت سے ایسے اثمان عرفیہ کا ذکر ملتا ہے جو کسی خاص طبقہ یا علاقہ ہی میں جاری تھے، اور ان کو بطور ثمن قبول کیا جاتا تھا جبکہ ذاتی قیمت کے لحاظ سے ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی مثلاً درخت کی چھال اور دریا سے نکلنے والی کوری وغیرہ۔ علامہ مقریزیؒ لکھتے ہیں:

وقد كانت الأمم في الإسلام وقبله، لهم أشياء يتعاملون بها بدل الفلوس كالبيض والكسر من الخبز والورق ولحاء الشجر والودع الذى يستخرج من البحر ويقال له: الكورى وغير ذلك[102]

ثمن کی بنیادی خصوصیات

فقہاء نے مطلقاً ثمن کے ضمن میں جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کو دیکھا جائے تو مجموعی طور پر ثمن کے لئے چار بنیادی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں:

(ا) پہلی شرط یہ ہے کہ لوگوں کے ایک طبقہ میں اس کا تعامل جاری ہو اور بحیثیت زر تبادلہ اسے قبول کیا جاتا ہو، جیسا کہ اوپر حضرت امام مالک، اور علامہ شامیؒ وغیرہ کے حوالے سے یہ بات آچکی ہے کہ لوگوں کا تعامل ہی کسی شے کو ثمن بناتا ہے، اور تعامل

---

[102] - رسائل المقريزي ج 1 ص 174 المؤلف: أحمد بن علي بن عبد القادر، أبو العباس الحسيني العبيدي، تقي الدين المقريزي (ت ٨٤٥هـ)الناشر: دار الحديث، القاهرة الطبعة: الأولى، ١٤١٩ هـ عدد الصفحات: ٤٦٧

کے فقدان سے ثمنیت باطل ہوتی ہے،اسی طرح تمام لوگوں میں اس کا یکساں مقبول ہونا بھی ضروری نہیں، ممکن ہے کہ کسی ثمن کو کچھ لوگ قبول کرتے ہوں اور کچھ نہ کرتے ہوں،تو کچھ لوگوں کے رد کرنے سے کسی ثمن کی ثمنیت باطل نہیں ہوتی،جن لوگوں کے نزدیک وہ قابل قبول ہے ان کے نزدیک اس کی حیثیت ثمن کی رہے گی،مثال کے طور پر کتب فقہ میں چاندی کے سکہ "نبھرجہ"کا ذکر ملتاہے،جس میں ملاوٹ زیادہ ہوتی تھی،اس کو سخت مزاج تجار نہیں لیتے تھے، لیکن نرم مزاج تاجر اسے قبول کرلیتے تھے،اس سے ظاہر ہوتاہے کہ کسی چیز کے ثمن ہونے کے لئے تمام لوگوں کے نزدیک قابل قبول ہونا شرط نہیں ہے،علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

قوله (نبهرجة) هذا عربي وأصله نبهره وهو الحظ أي حظ هذه الدراهم من الفضة أقل وغشه أكثر ولذا ردها التجار أي المستقصي منهم والمسهل منهم يقبلها[103]

(۲)دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قیمتوں کی پیمائش کامعیار ہو۔

(۳)اور تیسری شرط یہ ہے کہ ثمن اشیاء کی قیمتوں کو تحفظ فراہم کرے اسی لئے ثمن عام حالات میں زیادہ تغیر پذیر نہیں ہوتاہے،ورنہ اس میں قیمتوں کاپیمانہ بننے کی

---

103 **- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3 ص 839 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8**

صلاحیت نہیں رہے گی، اس لئے کہ جس چیز کی قیمت خود اپنی جگہ قائم نہ ہو وہ نہ قیمتوں کی پیائش کا معیار بن سکتی ہے اور نہ اشیاء کی قیمتوں کو تحفظ فراہم کر سکتی ہے،

علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

والثمن هو المعيار الذي به يعرف تقويم الأموال فيجب أن يكون محدودا مضبوطا لا يرتفع ولا ينخفض إذ لو كان الثمن يرتفع وينخفض كالسلع لم يكن لنا ثمن نعتبر به المبيعات بل الجميع سلع وحاجة الناس إلى ثمن يعتبرون به المبيعات حاجة ضرورية عامة وذلك لا يمكن إلا بسعر تعرف به القيمة وذلك لا يكون إلا بثمن تقوم به الأشياء ويستمر على حالة واحدة ولا يقوم هو بغيره[104]

علامہ ابن رشد مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأن العدل في المعاملات إنما هو مقاربة التساوي ولذلك لما عسر إدراك التساوي في الاشياء المختلفة الذوات جعل الدينار والدرهم لتقويمها : أعني تقديرها[105]

---

[104] - إعلام الموقعين عن رب العالمين ج 2 ص 156 المؤلف : محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى : 751هـ)المحقق : طه عبد الرؤوف سعد الناشر : مكتبة الكليات الأزهرية، مصر، القاهرة الطبعة : 1388هـ/1968م

[105] - بداية المجتهد ونهاية المقتصد ج 2 ص 107 المؤلف : أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد الحفيد (المتوفى : 595هـ)

دنیامیں جتنے بھی اثمان مروج ہیں،خواہ وہ خلقی ہوں یاعرفی، ان کی قیمت عام حالات میں یکساں رہتی ہے،مثلاً ایک تولہ سوناکی قیمت ہمیشہ ایک تولہ کے برابر ہی رہے گی،یہ نہیں ہوگا کہ کبھی بھی ایک تولہ سوناکی قیمت ایک تولہ سے کم ہوجائے،جبکہ دوسری اشیاء کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتاہے،مثلاً ایک کلوگیہوں کی قیمت جو آج ہے، اسی گیہوں کو پراناہونے کے بعد فروخت کریں تو اس کی قیمت ایک کلوگیہوں سے کم ملے گی ،سونا،چاندی،روپے پیسے اور دیگر اثمان میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۴) ثمن کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ متعین کرنے متعین نہیں ہوتا،یعنی لین دین کے وقت اگر کسی خاص سکہ یانوٹ کی نشاندہی کی جائے،لیکن ادائیگی اسی قیمت کے دوسرے سکے یانوٹ سے کردی جائے تو یہ ادائیگی درست اوردونوں کے لئے قابل قبول ہوگی، بائع کسی مخصوص سکہ یانوٹ کے مطالبہ کاحقدار نہیں ہے،اورنہ اس نشان زد رقم کے ضائع ہونے سے عقد بیع پر کوئی اثر پڑے گا:

لَا يَتَعَيَّنُ الثَّمَنُ بِالتَّعْيِينِ فِي الْعَقْدِ مَثَلًا لَوْ أَرَى الْمُشْتَرِي الْبَائِعَ ذَهَبًا مَجِيدِيًّا فِي يَدِهِ ثُمَّ اشْتَرَى بِذَلِكَ الذَّهَبِ شَيْئًا لَا يُجْبَرُ عَلَى أَدَاءِ ذَلِكَ الذَّهَبِ بِعَيْنِهِ بَلْ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ الْبَائِعَ ذَهَبًا مَجِيدِيًّا مِنْ ذَلِكَ النَّوْعِ غَيْرِ الَّذِي أَرَاهُ إِيَّاهُ.وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَى قَوْلِ الْبَائِعِ : لَا آخُذُ مِثْلَهُ بَلْ عَيْنَهُ وَإِذَا تَلِفَ لَمْ يَطْرَأْ خَلَلٌ عَلَى الْبَيْعِ وَكَذَلِكَ الْحُكْمُ فِي الْفِضَّةِ وَالْمَقْصُودُ مِنْ الثَّمَنِ النَّقْدُ

سَوَاءٌ أَكَانَ مَضْرُوبًا أَمْ غَيْرَ مَضْرُوبٍ[106]

ثمن کی یہ تمام خصوصیات کرپٹو کرنسی میں پائی جاتی ہیں، ایک قابل لحاظ بڑے حلقے میں اسے زر (Money) کی حیثیت حاصل ہے، جس کو لین دین میں زر مبادلہ کے طور پر استعمال اور قبول کیا جاتا ہے، کئی ملکوں میں اسی حیثیت سے اس کے لئے قواعد و قوانین بنائے گئے ہیں، اور کئی ملکوں میں بعض دیگر اسباب مثلاً منی لانڈرنگ اور ٹیکس چوری وغیرہ کی وجہ سے اس کے استعمال پر پابندی بھی لگائی گئی ہے، جو لوگوں کی نگاہ میں اس کی حیثیت ثمنی کو واضح کرتی ہیں۔

انٹرنیٹ اور یوروپی ممالک میں کرپٹو کرنسیوں کا استعمال تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، اور قیمتوں کے پیمانے کے طور پر ان کو قبولیت حاصل ہو چکی ہے، اور ایک سرمایۂ محفوظ کے طور پر ان کو اختیار کیا جا رہا ہے، یہ تمام چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ کرپٹو کرنسیوں میں ثمن عرفی بننے کی صلاحیت موجود ہے اور فی زمانہ اس کا تعامل بھی پوری طاقت کے ساتھ جاری ہے اس لئے آج کے حالات میں ان کو ثمن عرفی قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

----

[106] - درر الحكام شرح مجلة الأحكام ج **1** ص **191** علي حيدر تحقيق تعريب: المحامي فهمي الحسيني الناشر دار الكتب العلمية مكان النشر لبنان / بيروت عدد الأجزاء **16×4**

کرنسی ہونے کے لئے حکومت کا تسلیم کرنا ضروری نہیں

سوال:- کیا کسی چیز کے کرنسی ہونے کے لئے حکومت کا اسے تسلیم کرنا ضروری ہے؟

جواب: شرعی طور پر کسی شے کے ثمن یا زر مبادلہ بننے کے لئے حکومت کی اجازت و منظوری شرط نہیں ہے، بلکہ عوام الناس میں بطور زر مبادلہ اس کا تعامل ہونا کافی ہے، فقہاء کرام نے ثمن قرار دیئے جانے کے لئے کہیں بھی حکومت کی منظوری کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ بنیادی شرط عوامی مقبولیت کو قرار دیا ہے۔۔۔

سرکاری کرنسی کا حکم

گو کہ اصل یہی ہے کہ سکے اور کرنسیاں حکومتوں کی طرف سے جاری کی جائیں، تاکہ عام لوگ انتشار اور ضرر وغرر سے محفوظ رہ سکیں، اسی لئے فقہاء نے جہاں سکہ ڈھالنے کی بحث کی ہے وہاں یہ اختیار واضح طور پر حکومت کو دیا ہے، فتاویٰ ہندیہ وغیرہ میں ایک جزئیہ نقل کیا گیا ہے، جو غالباً حضرت امام ابویوسفؒ سے منقول ہے کہ سرکاری دارالضرب کے علاوہ دوسرے کسی پرائیوٹ ادارے میں سکہ تیار کرنا مکروہ ہے:

وَيُكْرَهُ أَنْ يُلْقِيَ فِي النُّحَاسِ دَوَاءً فَيُبَيِّضَهُ وَيَبِيعُهُ بِحِسَابِ الْفِضَّةِ وَكَذَا ضَرْبُ الدَّرَاهِمِ فِي غَيْرِ دَارِ الضَّرْبِ ، وَإِنْ كَانَتْ

جِیَادًا[107]

ترجمہ: تانبے میں دواڈال کر اس کو سفید کرنااورچاندی کی قیمت پر
اسے بیچنامکروہ ہے ،اسی طرح سکہ ڈھالنے کے مقام کے علاوہ کسی
اور جگہ سکہ
ڈھالنامکروہ ہے،اگرچیکہ عمدہ سکے ہوں۔

مگراس سے مراد وہ ادارے ہیں جو حکومت سے چھپ کر یہ کام کریں،جیساکہ بعض کتابوں میں "سراً" کی قید لگی ہوئی ہے اور مقصد حکومت اور عوام کو دھوکہ اور فریب سے بچاناہے:

وعن ابی یوسف فی ضرب الدراھم الجیاد فی غیر دارالضرب سراً لاینبغی[108]

اسی طرح شوافع اور حنابلہ نے بھی حکومت کے علاوہ عام لوگوں کے لئے اس کو مکروہ یاناجائز قراردیاہے مگر اس کی بنیاد بھی اسی پر ہے کہ معیشت کے ایسے ذمہ دارانہ مسئلے میں عام لوگوں پر بھروسہ نہیں کیاجاسکتا:

ویکره للرعیة ضرب الدراهم وان کانت خالصة فانه من شأن الامام ثم الدراهم المغشوشة إن کانت

---

[107] - الفتاوى الهندية [حنفي] ج 3 ص 214 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

[108]- الملتقط فی الفتاوی الحنفیۃ ج 1 ص 275 ،ناصرالدین السمرقندی ،دارالکتب العلمیۃ بحوالہ ورچوئل کرنسیوں کی شرعی حیثیت ص173

مضبوطة العيار[109]

قال الأصحاب : يكره لغير الإمام ضرب الدراهم والدنانير وإن كانت خالصة لأنه من شأن الإمام ولأنه لا يؤمن فيه الغش والإفساد[110]

علامہ بہوتی حنبلی لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَحْمَدُ (فِي رِوَايَةِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ) لَا يَصْلُحُ ضَرْبُ الدَّرَاهِمِ إلَّا فِي دَارِ الضَّرْبِ بِإِذْنِ السُّلْطَانِ لِأَنَّ النَّاسَ إنْ رُخِّصَ لَهُمْ رَكِبُوا الْعَظَائِمَ قَالَ الْقَاضِي فِي الْأَحْكَامِ السُّلْطَانِيَّةِ فَقَدْ مُنِعَ مِنْ الضَّرْبِ بِغَيْرِ إذْنِ السُّلْطَانِ ، لِمَا فِيهِ مِنْ الِافْتِيَاتِ عَلَيْهِ[111]

بلاشبہ حکومت کی طرف سے یا اس کی اجازت سے کرنسی جاری ہونا ایک محفوظ شکل ہے، اور ایسی کرنسیاں زر قانونی کہلائیں گی، جن کی پشت پر حکومت کی سرپرستی اور نگرانی موجود ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ حکومتی اجازت کے بغیر جاری ہونے والی کرنسی شریعت کی نگاہ میں غیر قانونی یا غیر معتبر قرار پائے گی۔

---

[109] - فتح العزيز بشرح الوجيز = الشرح الكبير ج 6 ص 13 المؤلف : عبد الكريم بن محمد الرافعي القزويني (المتوفى : 623هـ)[وهو شرح لكتاب الوجيز في الفقه الشافعي لأبي حامد الغزالي (المتوفى : 505 هـ)]

[110] - الحاوي للفتاوي في الفقه وعلوم التفسير والحديث والأصول والنحو والإعراب وسائر الفنون ج 1 ص 99 المؤلف : جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي دار النشر : دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان - 1421هـ - 2000م الطبعة : الأولى تحقيق : عبد اللطيف حسن عبد الرحمن عدد الأجزاء / 2

[111] - كشاف القناع عن متن الإقناع ج 2 ص 232 منصور بن يونس بن إدريس البهوتي تحقيق هلال مصيلحي مصطفى هلال الناشر دار الفكر

غیر سرکاری سکے اور کرنسیوں کا حکم

کتب فقہ و تاریخ میں ایسے کئی سکوں اور کرنسیوں کا ذکر ملتا ہے ،جو حکومتی اداروں سے الگ تیار ہوتے تھے ،اور لوگوں کے درمیان بکثرت رائج تھے ،اور کبھی علماء نے ان سے لین دین کو غیر معتبر قرار نہیں دیا،اور نہ کبھی حکومتوں نے ان پر پابندی عائد کی،ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ حکومتی ادارے اور بیت المال ان سکوں کو قبول نہیں کرتے تھے ، لیکن اس کے باوجود ان کی عوامی مقبولیت باقی رہی ،اور مارکیٹ میں بے تکلف ان کا لین دین بھی جاری رہا،مثلاً ایک "نبہرجہ "نامی سکہ رائج تھا،جس کو حکومت نے جاری نہیں کیا تھا،اسی طرح کچھ اور کھوٹے سکے تھے جن کو حکومتی ادارے قبول نہیں کرتے تھے، لیکن تاجروں کے درمیان ان کا چلن تھا،اور اس عہد کے فقہاء نے اس کو غلط نہیں کہا،بلکہ ان سے ادائیگی اور لین دین کو درست قرار دیا بشرطیکہ کرنسی کی نوعیت واضح کردی گئی ہو اور کسی دھوکہ اور فریب سے کام نہ لیا گیاہے:

(وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فُلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهُ زُيُوفًا أَوْ نَبَهْرَجَةَ أَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثْ) لِأَنَّ الزِّيَافَةَ عَيْبٌ وَالْعَيْبُ لَا يُعْدِمُ الْجِنْسَ وَلِهَذَا لَوْ تَجَوَّزَ بِهَا صَارَ مُسْتَوْفِيًا وَقَبْضُ الْمُسْتَحَقَّةِ صَحِيحٌ وَلَا يَرْتَفِعُ بِرَدِّهَا الْبِرُّ الْمُتَحَقِّقُ، الزُّيُوفُ مَا رَدَّهُ بَيْتُ الْمَالِ وَهِيَ دَرَاهِمُ فِيهَا غِشٌّ وَالنَّبَهْرَجَةُ مَا

ضُرِبَ فِي غَيْرِ دَارِ الضَّرْبِ[112]

قوله (أو زيوفا)مع زيف أي كفلس وفلوس مصباح وهي المغشوشة يتجوز بها التجار ويردها بيت المال ولفظ الزيافة غير عربي وإنماهو من استعمال الفقهاء نهرفتح يعني أن فعله زاف وقياس مصدره الزيوف لا الزيافة كما في المغرب قوله (ما يرده بيت المال) لأنه لا يقبل إلا ما هو في غاية الجودة قهستاني فالنبهرجة غشها أكثر من الزيوف فتح[113]

واختلفوا في تفسير النبهرجة قيل هي التي تضرب في غير دار السلطان والزيوف هي المغشوشة والستوقة صفر مموه بالفضة وقال عامة المشايخ الجياد فضة خالصة تروج في التجارات وتوضع في بيت المال والزيوف ما زيفه بيت المال أي يرده ولكن تأخذه التجار في التجارات لا بأس بالشراء بها ولكن يبين للبائع أنها زيوف والنبهرجة ما يرده التجار[114]

---

112 - الجوهرة النيرة ج 2 ص 209 المؤلف: أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (ت ٨٠٠ هـ)الناشر: المطبعة الخيرية الطبعة: الأولى، ١٣٢٢

113 - حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار ج 3 ص 839 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.

114 - حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار ج 5 ص 233 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.

کرپٹوکرنسی میں زکوٰۃ

سوال:- جن لوگوں نے کرپٹوکرنسی حاصل کررکھی ہے کیاان کے حق میں اس کی حیثیت مال کی ہوگی،اوراس میں زکوۃ فرض ہوگی یانہیں؟

جواب: بلاشبہ کرپٹوکرنسی اس دورمیں ایک قیمتی اور محفوظ مال ہے،مال کی شرعی تعریف اس پر صادق آتی ہے ،اس کی طرف لوگوں کامیلان پایاجاتاہے ،اس کاایک معنوی وجودہے،اس کوایک مدت کے لئے (جب تک اس کاتعامل باقی ہے) ذخیرہ کیاجاسکتاہے،اوریہ مکمل طورپر صاحب مال کے قبضہ واختیار میں رہتی ہے،البتہ اس کے ذخیرہ اور محفوظ کرنے کی اپنی نوعیت ہے ،اس کے لئے مخصوص آلات اور مشینوں کی ضرورت ہے ،ہر شے کو محفوظ کرنے اوراستعمال کرنے کااپناطریقہ ہوتاہے ،اوراسی طریقہ سے اس سے انتفاع اور تمول حاصل کیاجاسکتاہے،جس طرح کہ موجودہ دورمیں بجلی اورگیس وغیرہ مال ہیں اوران کو محفوظ اورذخیرہ کرنے کی اپنی نوعیت ہے ،چنانچہ ہمارے دورکے علماءنے بجلی اور گیس وغیرہ کومال کہاہے،اوران کی خریدوفروخت کو جائز قراردیاہے،ورچوئل کرنسی بھی بجلی ہی کی طرح اپناایک وجودرکھتی ہے،اس لئے دیگر اموال کی طرح اس میں بھی زکوۃ فرض ہوگی۔

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم (قوله : مالا أو لا) إلخ ، المراد بالمال ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة ، والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم ، والتقوم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعا ؛ فما يباح بلا تمول لا يكون مالا كحبة حنطة وما يتمول بلا إباحة انتفاع لا يكون متقوما كالخمر[115]

بہوتی فرماتے ہیں:

الْمَالُ شَرْعًا(مَا يُبَاحُ نَفْعُهُ مُطْلَقًا) أَيْ فِي كُلِّ الْأَحْوَالِ (أَوْ) يُبَاحُ (اقْتِنَاؤُهُ بِلَا حَاجَةٍ) فَخَرَجَ مَا لَا نَفْعَ فِيهِ كَالْحَشَرَاتِ وَمَا فِيهِ نَفْعٌ مُحَرَّمٌ كَخَمْرٍ[116]

التاج والاکلیل میں ہے:

فَأَمَّا إنْ كَانَتْ سِكَّةَ التَّعَامُلِ فَيَجُوزُ الْقِرَاضُ بِهَا ؛ لِأَنَّهَا صَارَتْ أُصُولَ الْإِثْمَارِ وَقِيَمَ الْمُتْلَفَاتِ ، وَقَدْ جُوِّزَ الْقِرَاضُ بِالْفُلُوسِ فَكَيْفَ بِهَذِهِ ؟ وَلَا خِلَافَ عِنْدَنَا فِي تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ بِهَا[117]

---

[115] - رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار"ج 4 ص 501 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ) دارالفكر

[116] - شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولي النهى لشرح المنتهى ج 2 ص 7 منصور بن يونس بن إدريس البهوتي سنة الولادة / سنة الوفاة 1051 الناشر عالم الكتب سنة النشر 1996 بيروت

[117] - التاج والإكليل لمختصر خليل ج 5 ص 358 محمد بن يوسف بن أبي القاسم العبدري أبو عبد الله سنة الولادة / سنة الوفاة 897الناشر دار الفكرسنة النشر 1398بيروت عدد الأجزاء 6

کرپٹوکرنسی کو اگر فریقین اثاثہ تسلیم کرلیں

سوال :- کیافریقین کے تسلیم کرلینے کی وجہ سے کرپٹوکرنسی کو اثاثے کاحکم دیاجاسکتاہے؟

جواب: فقہ حنفی میں کسی چیزپر باہمی اتفاق کی بڑی اہمیت ہے، خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک، جیساکہ فلوس کے مسئلہ میں ان کی رائے سے پتہ چلتاہے: فلوس کو رواج عام کی بناپر ثمن عرفی کادرجہ حاصل ہے، اس لحاظ سے ان کے درمیان باہمی تبادلہ بیع صرف کے حکم میں ہوناچاہیے، جیساکہ حضرت امام محمدؒ کامسلک ہے لیکن اگر عاقدین باہم ان کی ثمنیت کے ابطال پر اتفاق کرلیں، اور بجائے ثمن کے اثاثہ کے طورپر ان کی خریدوفروخت کریں تو شیخین کے نزدیک ان کی ثمنیت باطل ہوجائے گی، اور بیع صرف کاحکم ان پر جاری نہیں ہوگا:

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَايَجُوزُ لِأَنَّ الْفُلُوسَ الرَّائِجَةَ أَثْمَانٌ وَالثَّمَنُ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ وَلِهَذَا إِذَا قَابَلَ الْفُلُوسَ بِخِلَافِ جِنْسِهَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ غَيْرَهَا وَلَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ بِهَلَاكِهَا وَهَذَا ؛ لِأَنَّ

ثَمَنِيَّتَهَا تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِ الْكُلِّ فَلَا تَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَإِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا أَوْ يَحْتَمِلُهُ-- وَلَهُمَا أَنَّ الْفُلُوسَ لَيْسَتْ بِأَثْمَانٍ خِلْقَةً وَإِنَّمَا كَانَ ثَمَنًا بِالِاصْطِلَاحِ وَقَدْ اصْطَلَحَا بِإِبْطَالِ الثَّمَنِيَّةِ فَتَبْطُلُ وَإِنْ كَانَتْ ثَمَنًا عِنْدَ غَيْرِهِمَا مِنْ النَّاسِ لِبَقَاءِ اصْطِلَاحِهِمْ عَلَى ثَمَنِيَّتِهَا وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَلَا يَلْزَمُهُمَا اصْطِلَاحُهُمْ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ ؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ فَلَا تَبْطُلُ بِالِاصْطِلَاحِ فَإِذَا بَطَلَتْ الثَّمَنِيَّةُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا[118]

اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر عاقدین باہم کسی چیز کو اثاثہ تسلیم کرلیں ،اوران میں اثاثہ بننے کی صلاحیت موجود ہو تو وہ اثاثہ قرار پائے گی اور باہم لین دین

---

118 - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 4 ص 91 المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ) الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ) الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ - شرح فتح القدير ج 7 ص 21 كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت

کا معاملہ درست ہو گا، شامی لکھتے ہیں:

والمالية تثبت بتمول الناس كافة أو بعضهم ، والتقوم يثبت بها وبإباحة الانتفاع به شرعا ؛ فما يباح بلا تمول لا يكون مالا كحبة حنطة وما يتمول بلا إباحة انتفاع لا يكون متقوما كالخمر[119]

بہوتی فرماتے ہیں:

الْمَالُ شَرْعًا (مَا يُبَاحُ نَفْعُهُ مُطْلَقًا) أَيْ فِي كُلِّ الْأَحْوَالِ (أَوْ) يُبَاحُ (اقْتِنَاؤُهُ بِلَا حَاجَةٍ) فَخَرَجَ مَا لَا نَفْعَ فِيهِ كَالْحَشَرَاتِ وَمَا فِيهِ نَفْعٌ مُحَرَّمٌ كَخَمْرٍ[120]

کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کرنا

سوال :- کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب:- مذکورہ بالا تفصیلات سے ثابت ہو چکا ہے کہ کرپٹو کرنسی عہد حاضر میں ایک انتہائی قیمتی سرمایہ ہے،اس میں کوئی غرر اور ضرر بھی پایا نہیں جاتا ہے ، اور اس

---

[119] - رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار"ج 4 ص 501 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ) دار الفكر

[120] - شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولي النهى لشرح المنتهى ج 2 ص 7 منصور بن يونس بن إدريس البهوتي سنة الولادة / سنة الوفاة 1051 الناشر عالم الكتب سنة النشر 1996بيروت

کا ایک محفوظ نظام ہے، اس لئے اس میں سرمایہ کاری کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً درست ہے۔

وَصَحَّ الْبَيْعُ بِالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ ، وَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ) ؛ لِأَنَّهَا أَمْوَالٌ مَعْلُومَةٌ صَارَتْ ثَمَنًا بِالِاصْطِلَاحِ فَجَازَ بِهَا الْبَيْعُ وَوَجَبَ فِي الذِّمَّةِ كَالدَّرَاهِمِ ، وَالدَّنَانِيرِ ، وَإِنْ عَيَّنَهَا لَا تَتَعَيَّنُ ؛ لِأَنَّهَا صَارَتْ ثَمَنًا بِاصْطِلَاحِ النَّاسِ وَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ غَيْرَهَا ؛ لِأَنَّ الثَّمَنِيَّةَ لَا تَبْطُلُ بِتَعْيِينِهَا ؛ لِأَنَّ التَّعْيِينَ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ لِبَيَانِ قَدْرِ الْوَاجِبِ وَوَصْفِهِ كَمَا فِي الدَّرَاهِمِ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ لِتَعْلِيقِ الْحُكْمِ بِعَيْنِهَا .فَلَا يَبْطُلُ الِاصْطِلَاحُ بِالْمُحْتَمَلِ مَا لَمْ يُصَرِّحَا بِإِبْطَالِهِ بِأَنْ يَقُولَا أَرَدْنَا بِهِ تَعْلِيقَ الْحُكْمِ بِعَيْنِهَا فَحِينَئِذٍ يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِعَيْنِهَا بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ فَلْسًا بِفَلْسَيْنِ بِأَعْيَانِهِمَا حَيْثُ يَتَعَيَّنُ مِنْ غَيْرِ تَصْرِيحٍ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَتَعَيَّنْ لَفَسَدَ الْبَيْعُ عَلَى مَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ فَكَانَ فِيهِ ضَرُورَةً تَحَرِّيًا لِلْجَوَازِ ، وَهُنَا يَجُوزُ عَلَى التَّقْدِيرَيْنِ ، فَلَا حَاجَةَ إلَى إبْطَالِ اصْطِلَاحِ الْكَافَّةِ ، وَهَذَا يَتَأَتَّى عَلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ لَا يَتَعَيَّنُ ، وَإِنْ صَرَّحَا بِهِ وَأَصْلُ الْخِلَافِ أَنَّ اصْطِلَاحَ الْعَامَّةِ لَا يَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا عَلَى خِلَافِهِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يَبْطُلُ فِي حَقِّهِمَا لِعَدَمِ وِلَايَةِ الْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَلَا يَلْزَمُهُمَا[121]

---

121 - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 4 ص 143فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.

وَلَا تَصِحُّ الشَّرِكَةُ بِالْفُلُوسِ .وَبِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ ، وَالشَّافِعِيُّ ، وَابْنُ الْقَاسِمِ صَاحِبُ مَالِكٍ .وَيَتَخَرَّجُ الْجَوَازُ إذَا كَانَتْ نَافِقَةً ؛ فَإِنَّ أَحْمَدَ قَالَ : لَا أَرَى السَّلَمَ فِي الْفُلُوسِ ؛ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الصَّرْفَ .وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ ، وَأَبِي ثَوْرٍ ؛ لِأَنَّهَا ثَمَنٌ ، فَجَازَتْ الشَّرِكَةُ بِهَا ، كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ .وَيَحْتَمِلُ جَوَازُ الشَّرِكَةِ بِهَا عَلَى كُلِّ حَالٍ ، نَافِقَةً كَانَتْ أَوْ غَيْرَ نَافِقَةٍ ، بِنَاءً عَلَى جَوَازِ الشَّرِكَةِ بِالْعُرُوضِ .وَوَجْهُ الْأَوَّلِ ، أَنَّهَا تُنْفَقُ مَرَّةً وَتَكْسُدُ أُخْرَى ، فَأَشْبَهَتْ الْعُرُوضَ ، فَإِذَا قُلْنَا بِصِحَّةِ الشَّرِكَةِ بِهَا ، فَإِنَّهَا إنْ كَانَتْ نَافِقَةً كَانَ رَأْسُ الْمَالِ مِثْلَهَا ، وَإِنْ كَانَتْ كَاسِدَةً ، كَانَتْ قِيمَتُهَا كَالْعُرُوضِ[122]

کرپٹوکرنسی کو ملکی کرنسی میں تبدیل کرنا

سوال :-بٹ کوائن کی اپیلی کیشن کو استعمال کرکے پوائنٹس کے ذریعہ بٹ کوائن حاصل کرنااورپھر ان کو ملکی کرنسی (روپیہ ،ڈالروغیرہ)میں تبدیل کرکے کمائی کرناجائزہے یانہیں؟

---

[122] - المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني ج 5 ص 126المؤلف : عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي أبو محمد الناشر : دار الفكر – بيروت الطبعة الأولى ، 1405 عدد الأجزاء : 10

جواب:- کرپٹو کرنسی (بٹ کوائن وغیرہ) اور ملکی کرنسی (روپیہ، ڈالر وغیرہ) دونوں کی جنس الگ الگ ہے اس لئے ایک دوسرے سے کمی بیشی کے ساتھ بھی تبادلہ جائز ہے، جو اثمان کی بیع کے بارے میں شریعت کا عام ضابطہ ہے، اور اس جائز مبادلہ کو ذریعۂ معاش بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

کیا کرپٹو کرنسی میں سود، قمار اور سٹے کا پہلو ہے؟

سوال: کیا کرپٹو کرنسی میں سود، قمار اور سٹے کا پہلو نکلتا ہے؟

جواب:- یہ سوال دراصل کرپٹو کرنسی کے بارے میں ناقص معلومات یا غلط فہمیوں پر مبنی ہے، مثلاً:

☆ایک خیال یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے، یہ ایک فرضی ہندسہ ہے جو سافٹ ویر سے اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی مائنر ایک نامعلوم پیچیدہ مسئلہ حل کرنے میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

☆اسی طرح کرپٹو کرنسی کے ذریعہ جو عقد ہوتا ہے وہ کسی تیسرے شخص (مائنر) کی مائننگ پر موقوف ہوتا ہے، جب تک مائننگ نہیں ہوتی عقد نافذ نہیں ہو سکتا ہے، اس طرح اس میں غرر کثیر ہے، جس سے قمار اور سٹے کا پہلو نکلتا ہے۔

مگر سچ یہ ہے کہ کرپٹو کرنسی کا ایک حقیقی وجود ہے، جو چند مقررہ قواعد واعداد پر

مبنی ہے اور یہ اعداد ایسے سافٹ ویر کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں جن کو بڑی محنت و تحقیق کے بعد تیار کیا گیاہے ، البتہ ان کا وجود حسی نہیں معنوی ہے ،جو کمپیوٹر اورانٹر نیٹ کے ذریعہ کام کرتے ہیں،ان میں تمام تر نقل وحمل اورٹرانزیکشن مشین اور بجلی کے سگنلوں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں ،انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے ماہرین انہیں دیکھتے ہیں ،اور تمام صارفین کے پاس ان کی مکمل اورپختہ معلومات موجودہوتی ہیں ،ہر شے کاوجود اس کے اپنے لحاظ سے ہوتاہے، کسی شے کامعنوی وجود بھی ایک حقیقت ہے،اس لئے کرپٹو کرنسی کو محض فرضی ہندسہ قرار دیناغلط ہے۔

☆اسی طرح یہ خیال بھی سراسر غلط ہے کہ کرپٹو کرنسی کے ذریعہ ہونے والے عقد کانفاذ کسی تیسرے شخص کی تصدیق پر موقوف ہے جس کو مائنر کہتے ہیں، مائنر کے عمل پر نفاذ عقد موقوف نہیں رہتابلکہ ثمن کی حوالگی موقوف رہتی ہے ، عقد کانفاذ تو جانبین کے ایجاب وقبول سے مکمل ہو جاتاہے، حوالگی نفس عقد سے الگ چیز ہے، جس سے عقد کی صحت پر اثر نہیں پڑتا،اور حوالگی کو تھوڑی دیر کے لئے (جو عموماًدس منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا)اس لئے موقوف رکھاجاتاہے ،تاکہ اطمینان ہوسکے کہ جس کرنسی کا معاملہ ہواہے وہ بیچنے والے کی ملک ہے یانہیں ،نیزاس کو کہیں پہلے استعمال تو نہیں کیاجاچکاہے؟تاکہ عاقدین غرراور ضررسے محفوظ رہیں،یہ اسی طرح ہے جیسے پہلے زمانے میں جب سونااورچاندی کے سکے چلتے تھے ،اور سکوں کو مستقل تولنے اور پرکھنے والے

ماہرین موجود ہوتے تھے، جو اجرت پر اس کام کو کرتے تھے، فقہاء نے نہ صرف اس تول اور پرکھ کا اعتبار کیا بلکہ اس کی اجرت سے بھی بحث کی ہے کہ وہ کس کے ذمہ ہوگی؟

قوله (وأجرة وزن ثمن ونقده) أما كون أجرة وزن الثمن على المشتري فهو باتفاق الأئمة الأربعة وأما الثاني فهو ظاهر الرواية وبه كان يفتي الصدر الشهيد وهو الصحيح كما في الخلاصة لأنه يحتاج إلى تسليم الجيد وتعرفه بالنقد كما يعرف المقدار بالوزن[123]

ظاہر ہے نقد کی تول اور پرکھ میں کچھ وقت لگتا ہے اور اس میں غرر نہیں ہے بلکہ مفید عقد ہے، یا کم از کم ایسا غرر یا جہالت نہیں ہے جو باعث نزاع ہو۔

رہی یہ بات کہ تصدیق و توثیق کے لئے کسی ایک شخص یا ادارے کو اس کے لئے مقرر کرنے کے بجائے اس کو آزاد کیوں چھوڑ دیا گیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسرے اس کی کچھ تکنیکی وجوہ ہیں، مثلاً کسی ایک شخص یا ادارہ پر انحصار کرنے میں کام میں جو تیزی کا ماحول ہے اور مسابقت کی بنیاد جس سرعت کے ساتھ توثیقی مرحلے کی تکمیل ہوتی ہے، وہ حاصل نہیں ہو سکے گا، اور عاقدین کو مزید تاخیر اور انتظار کا ضرر

---

[123] - حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار ج 4 ص 560 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت.

اٹھانا پڑے گا، علاوہ یہ مہنگا بھی ثابت ہو گا، جو کسی ایک فریق کا نقصان ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی قیمت میں کافی اتار چڑھاؤ رہتا ہے، اس سے اس کا استعمال سٹے میں ہوتا ہے، اور اس سے اس کو حاصل کرنے والے افراد کو نقصان ہونا بھی ممکن ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ قیمتوں کی کمی بیشی طلب ورسد پر موقوف ہے، انہیں صحیح طور پر استعمال کرنا بھی ممکن ہے اور غلط طور پر بھی، اس سے کرنسی کے نفس جواز میں کیا فرق پڑتا ہے، اگر کوئی شخص روپیہ یا ڈالر وغیرہ کا غلط استعمال کرے تو یہ استعمال غلط ہو گا، مگر اس کی وجہ سے وہ چیز غلط نہیں ہو گی، اگر کوئی شخص اس بنیاد پر کوئی کرپٹو کرنسی خریدتا ہے کہ اس کی قیمت مستقبل میں بڑھ جائے گی، اور وہ بیع وشرا کی تمام شرائط پوری کرتا ہے تو اس میں کون سی شرعی قباحت ہے؟

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ٹیکس چوری، منی لانڈرنگ اور بہت سے ناجائز اور غیر قانونی معاملات میں اس کرنسی کا بکثرت استعمال ہوتا ہے، لیکن یہ سب خارجی مفاسد ہیں، لیکن اس سے کرپٹو کرنسی کی ذاتی حیثیت پر کیا اثر پڑے گا؟ اس قسم کے غلط کام دوسری کرنسیوں سے بھی انجام پا سکتے ہیں اور پا رہے ہیں۔

غرض اس قسم کی جتنی تشویشات بھی پیش کی جاتی ہیں، وہ زیادہ تر افواہوں اور غلط فہمیوں پر مبنی ہیں، اور بہت زیادہ لائق التفات نہیں ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

اختر امام عادل قاسمی

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

۲۲ / محرم الحرام ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۹ / جولائی ۲۰۲۴ء بروز پیر